احیائے اسلام اور امنِ عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

مارچ 2019ء





# معراج النبی ﷺ

## حضور نبی اکرم ﷺ کے جملہ لطائف اور ظاہر و باطن کی معراج کا سفر

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا خصوصی خطاب

## خدمتِ دین کے تقاضے اور ہمارا کردار

عہدیداران اور کارکنان کی اخلاقی و روحانی تربیت کے تناظر میں خصوصی تحریر

## اقوام و ملل کی حیاتِ ثلاثہ

جسدی حیات......شعوری حیات......روحی حیات

23 مارچ 1940ء یوم پاکستان

## قائدِ اعظم کا تصورِ پاکستان

## قلم اور علم کا غلط استعمال کرنے والے فسادی اور قابلِ گرفت ہیں

سوشل میڈیا ایکٹیوسٹ امن اور محبت کیلئے اپنے قلم کا استعمال کریں

## ناقص تفتیش، جھوٹی گواہی، نظامِ عدل اور احکاماتِ ربانی (اداریہ)

# شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا

## فروغِ امن اور انسدادِ دہشت گردی کیلئے اِسلامی نصاب

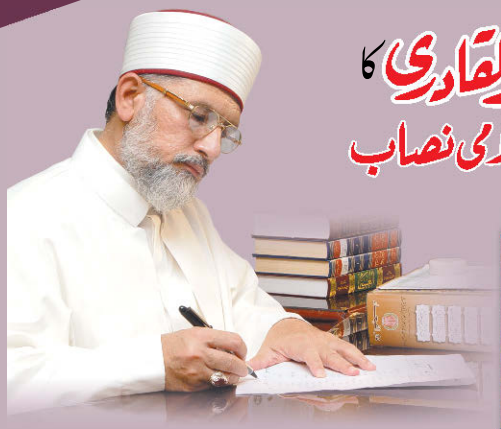

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

# ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جلد 33 | شمارہ 3 | رجب ۱۴۴۰ھ | مارچ 2019ء

بفیضان نظر

قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

زیر نگرانی

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی

ایڈیٹر: محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر: محبوب حسین

ایڈیٹوریل بورڈ

محمد فاروق رانا، عین الحق بغدادی
محمد رفیق نجم، محمد ندیم چودھری

مجلس مشاورت

خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم
جی ایم ملک، تنویر احمد خان، سرفراز احمد خان
منظور حسین قادری، غلام مرتضیٰ علوی

قلمی معاونین

مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، پروفیسر محمد نصراللہ معینی
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، پروفیسر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، علامہ شہزاد مجددی، محمد افضل قادری

## حسن ترتیب

| | | |
|---|---|---|
| (اداریہ) ناقص تفتیش، جھوٹی گواہی، نظامِ عدل اور احکامات ربانی | چیف ایڈیٹر | 3 |
| القرآن: معراج النبی ﷺ: جملہ لطائف وظاہر وباطن کی معراج کا سفر | شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری | 5 |
| الفقہ: نماز عابد ومعبود کے درمیان قرب کا ذریعہ | مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی | 13 |
| خدمتِ دین کے تقاضے اور ہمارا کردار | ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | 16 |
| اقوام وملل کی حیاتِ ثلاثہ | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری | 27 |
| 23 مارچ یوم پاکستان: قائداعظم کا تصورِ پاکستان | ڈاکٹر صفدر محمود | 31 |
| سوشل میڈیا ایٹیکیٹس کی ذمہ داریاں | فرخ شہزاد | 36 |
| نظامتِ تربیت تحریک منہاج القرآن: سرگرمیاں | غلام مرتضیٰ علوی | 38 |

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم | گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری | عکاسی: قاضی محمود الاسلام

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ

www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس وسالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبرشپ/رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

قیمت فی شمارہ: 35 روپے | سالانہ خریداری: 350 روپے

**انتباہ!** مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ وریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک منہاج القرآن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext:128

## حمد باری تعالیٰ

خدا ہی کو زیبا ہیں سب خوبیاں
جو ہے پاک پروردگارِ جہاں

قیامت کے دن کا ہے مالک وہی
جو دے گا جزا سب کو اعمال کی

فقط ہم تجھے پوجتے ہیں خدا
تجھی سے مدد مانگتے ہیں سدا

دکھا ہم کو یا رب رہِ مستقیم
ہمیں راہِ حق پر چلا اے کریم

تو ان پاک لوگوں کا رستہ دکھا
کہ جن پر سدا فضل تیرا ہوا

نہ ان کا، ہوا جن پہ نازل غضب
نہ گمراہوں کی رہ دکھا میرے رب

ہماری دعا کر قبول اے خدا
ترے بن نہیں کوئی سنتا دعا

(حدید مرزا)

## نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

حُسنِ عمل پہ اپنے نہ کچھ اعتبار کر
''ہے مغفرت کی آرزو تو اُن سے پیار کر''

دل میں بسا کے حُسنِ رُخِ مصطفیٰؐ کی یاد
بختِ خزاں نصیب کو رشکِ بہار کر

نکلیں شعاعیں نور کی تیرے وجود سے
پڑھ پڑھ درود ایسا اسے تابدار کر

کرکے نثار ان پہ زر و مال و جان و دل
خود کو فدائے خاکِ رہِ یارِ غارؓ کر

پابوسیٔ حضورؐ کا موقع ہوا نصیب
اچھا کیا ہے مجھ کو لحد میں اتار کر

ہمذآلی لحہ لحہ پڑھیں دھڑکنیں دُرود
دل کا نبیؐ سے رابطہ یوں اُستوار کر

(انجینئر اشفاق حسین ہمذانی)

# اداریہ

## ناقص تفتیش، جھوٹی گواہی، نظامِ عدل اور احکاماتِ ربّانی

چیف جسٹس پاکستان آصف سعید کھوسہ نے گزشتہ ماہ پولیس ریفارمز کمیٹی کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے کہا ہے کہ نظامِ عدل کی اصلاح اور بلاتاخیر فیصلوں کو یقینی بنانے کے لیے فوجداری مقدمات میں جھوٹے گواہوں کی حوصلہ شکنی اور تفتیشی نظام میں بہتری کے لیے لائحہ عمل بنایا جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ نظامِ تفتیش جدید خطوط پر استوار کیا جائے اور پراسیکیوٹرز، تحقیقاتی افسروں کا تربیتی معیار بہتر کیا جائے۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ جھوٹی گواہی اور ناقص نظامِ تفتیش کی وجہ سے سنگین مقدمات میں ملوث ملزم سزاؤں سے بچ جاتے ہیں اور غریب و مظلوم ورثاء انصاف کے لیے حسرت سے ایوانِ عدل کے دروازوں کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔ آئین کے آرٹیکل 10-A کے تحت فیئر ٹرائل ہر شہری کا بنیادی حق تسلیم کیا گیا ہے مگر فیئر ٹرائل کا مرحلہ فیئر تفتیش کے بعد آتا ہے، اگر کسی کیس میں فیئر تفتیش نہیں ہوگی تو فیئر ٹرائل اور انصاف کا مرحلہ بھی نہیں آئے گا۔

ناقص تفتیش اور انصاف میں تاخیر کی تازہ ترین مثال سانحہ ماڈل ٹاؤن کیس کی ہے۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن کے قتلِ عام میں پولیس براہ راست ملوث ہے اور اسی پولیس نے تفتیش کے ''فرائض'' بھی انجام دیئے۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن جو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت ہوا پولیس نے اسے اپنی تفتیش میں نقصِ امن کا کیس بنانے کی ہر ممکن کوشش کی، مظلوم ورثاء قائد تحریک منہاج القرآن شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی سرپرستی میں غیر جانبدار تفتیش کا حق مانگتے رہے اور بالآخر ساڑھے چار سال گزر جانے کے بعد انہیں یہ حق مل سکا اور سانحہ ماڈل ٹاؤن کیس پر نئی جے آئی ٹی بنی جو اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہے، امید ہے مارچ کے اختتام پر جے آئی ٹی اپنی تفتیش مکمل کر لے گی۔ چیف جسٹس سپریم کورٹ نے نظامِ عدل کی خامیاں دور کرنے کے لیے جو دلچسپی لی ہے ہم دعا گو ہیں کہ وہ اس اہم کام کو انجام تک پہنچائیں۔

چیف جسٹس کے اس بیان پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے بھی اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ نظامِ انصاف میں انقلابی تبدیلی لانے کے لئے نظامِ تفتیش کو جدید خطوط پر استوار کرنے کے حوالے سے چیف جسٹس آف سپریم کورٹ کا بیان قابلِ تحسین ہے۔ دعا ہے کہ وہ اس اہم آئینی فریضہ کو خوش اسلوبی سے انجام دے سکیں۔ تفتیش کو کسی کے صوابدیدی اختیار تک محدود کر دینے سے مظلوم پر انصاف کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ ماڈل ٹاؤن جیسے سانحات اور بے گناہوں کے قتلِ عام کے واقعات میں پولیس کی ناقص اور جانبدارانہ تفتیش کی وجہ سے انصاف کا خون بھی ہوتا ہے، مقدمات غیر ضروری تاخیر کا نشانہ بھی بنتے ہیں اور مظلوم غیر جانبدار تفتیش کے آئینی حق کے لئے تڑپتا رہتا ہے۔ ماڈل ٹاؤن قتلِ عام کیس میں صرف غیر جانبدار تفتیش کا حق لینے کے لئے ساڑھے چار سال لگے اور ناقابلِ بیان مالی بوجھ برداشت کرنا پڑا۔ ایسے واقعات میں اکثر مقتولین کے ورثا تھک ہار کر قاتلوں سے ''صلح'' کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ مائیں اپنے بچوں کے ناحق قتل کا انصاف مانگنے سے بھی عاجز آجاتی ہیں۔ چیف جسٹس سپریم کورٹ نظامِ تفتیش اور پراسیکیوشن میں موجود سقم دور کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ ان کی ایک بڑی انسانی خدمت ہوگی اس سے انصاف کا نظام ٹریک پر آجائے گا اور لاتعداد غریب مظلوموں کو فائدہ پہنچے گا اور پاکستان کو ریاستِ مدینہ کے ماڈل پر استوار کرنے میں مدد ملے گی۔

انہوں نے مزید کہا کہ انصاف کی عدم فراہمی سے محرومی، اشتعال، متشدد رویئے، انتہا پسندی اور پھر دہشتگردی جنم لیتی ہے اور سوسائٹی کا امن تہس نہس ہو کر رہ جاتا ہے۔ قائد تحریک منہاج القرآن نے جن نقائص کی نشاندہی کی ہے ان سے قانونی حلقے

یقیناً اتفاق کریں گے۔ آج ناقص نظامِ تفتیش کی وجہ سے ہر سطح کی عدالتوں میں لاکھوں کیسز زیرالتواء پڑے ہیں اور جھوٹی گواہی کا کلچر اس حد تک اپنی جڑیں مضبوط کر چکا ہے کہ مجرم ان جھوٹی گواہیوں کی وجہ سے اپنے قانونی انجام سے بچ جاتے ہیں۔ تفتیش، گواہی اور انصاف کا شفاف عمل محض آئین، قانون کا تقاضا یا انسانی ضرورت ہی نہیں بلکہ انصاف فراہم کرنا اور اس کے جملہ مراحل کے تقاضوں کو پورا کرنا دینِ اسلام کا ناگزیر تقاضا اور حکم ربانی ہے۔ قرآنی تعلیمات کی رو سے انصاف کی فراہمی اور سچی گواہی کے حوالے سے کسی قسم کا عذر قابل قبول نہیں ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے پیغمبر نبی آخر الزماں ﷺ کو بھی انصاف کرنے، عدل سے کام لینے کا حکم دیا، آیئے! نظامِ عدل کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کا مطالعہ کرتے ہیں:

اسلامی نظامِ حکومت اور طرز معاشرت کی بنیاد عدل پر رکھی گئی ہے۔ سورۃ المائدہ میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

''اے ایمان والو! تم انصاف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے (محض) اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہو جاؤ خواہ (گواہی) خود تمہارے اپنے یا (تمہارے) والدین یا (تمہارے) رشتہ داروں کے ہی خلاف ہو، اگرچہ (جس کے خلاف گواہی ہو) مال دار ہے یا محتاج، اللہ ان دونوں کا (تم سے) زیادہ خیر خواہ ہے، سو تم خواہش نفس کی پیروی نہ کیا کرو کہ عدل سے ہٹ جاؤ (گے) اور اگر تم (گواہی میں) پیچ دار بات کرو گے یا (حق سے) پہلو تہی کرو گے تو بے شک اللہ ان سب کاموں سے جو تم کر رہے ہو خبردار ہے''۔

سورۃ المائدہ میں ایک اور جگہ اللہ رب العزت فرماتا ہے: ''اور اگر آپ فیصلہ فرمائیں تو ان کے درمیان (بھی) عدل سے (ہی) فیصلہ فرمائیں (یعنی ان کی دشمنی عادلانہ فیصلے میں رکاوٹ نہ بنے) بے شک اللہ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

سورۃ الشوریٰ میں اللہ فرماتا ہے: ''فرما دیجئے جو کتاب بھی اللہ نے اتاری ہے میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل و انصاف کروں''۔

سورۃ المائدہ میں اللہ فرماتا ہے: ''اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ (وحکومت) نہ کرے سو وہی لوگ کافر ہیں''۔

حق اور انصاف کی فراہمی کے عمل میں رشوت ستانی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں اللہ فرماتا ہے: ''اور تم ایک دوسرے کے مال آپس میں ناحق نہ کھایا کرو اور نہ مال کو (بطور رشوت) حاکموں تک پہنچایا کرو''۔

قرآن نے قانونِ شہادت، نظامِ عدل کے حوالے سے جہاں ابہام سے پاک گائیڈ لائن دی ہے وہاں منصفوں کے لیے بھی ایک کوڈ آف کنڈکٹ دیا ہے، سورۃ النساء میں اللہ فرماتا ہے: ''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں، اور جب تم لوگوں پر حکومت کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ کیا کرو (یا اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ کیا کرو) بے شک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے''۔

قرآن نے غیر منصفانہ فیصلوں کے لیے اپنی پسند کے جج کی طرف رجوع کرنے کو منافقین کی خصلت قرار دیا ہے۔ سورۃ النساء میں اللہ فرماتا ہے: ''کیا آپ نے ان (منافقوں) کو نہیں دیکھا جو (زبان سے) دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس (کتاب یعنی قرآن) پر ایمان لائے، جو آپ کی طرف اتارا گیا ہے اور ان (آسمانوں کتابوں) پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری گئیں (مگر) چاہتے یہ ہیں کہ اپنے مقدمات (فیصلے کے لیے) شیطان (یعنی احکام الٰہی سے سرکشی پر مبنی قانون) کی طرف لے جائیں، حالانکہ انہیں حکم دیا جا چکا ہے کہ اس کا (کھلا) انکار کر دیں''۔

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نظامِ عدل کو کتنی اہمیت دیتا ہے بلکہ اسلامی نظامِ حکومت و معاشرت کی اساس ہی نظامِ عدل پر ہے۔ ہم دعا گو ہیں کہ چیف جسٹس نظامِ عدل میں بنیادی اصلاحات لانے کے حوالے سے اپنے عزم میں کامیاب و کامران ہوں۔ (نوراللہ صدیقی)

# معراج النبی ﷺ

# حضور نبی اکرم ﷺ کے جملہ لطائف اور ظاہر و باطن کی معراج کا سفر

## معراج النبی ﷺ حالتِ بیداری اور جسم و روح کیساتھ ہوئی

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین.....معاون: محبوب حسین

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (الإسراء، ۱۷: ۱)

''وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجدِ حرام سے (اس) مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تاکہ ہم اس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔''

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اچانک ایک شخص ہماری محفل میں آیا (جس کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں بعد میں آگاہ فرمایا کہ یہ جبرائیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے)۔ یہ شخص حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے گھٹنے سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گیا اور عرض کیا: یا محمد مصطفیٰ! مجھے بتائیں: اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں اور تو نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان المبارک کے روزے رکھے اور استطاعت رکھنے پر بیت اللہ کا حج کرے۔ اس نے عرض کیا: آپ نے سچ فرمایا۔ اس کے بعد اس نے عرض کیا: مجھے ایمان کے بارے میں بتائیں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور اچھی بری تقدیر پر ایمان رکھے۔ وہ بولا: آپ نے سچ فرمایا۔ پھر اس نے عرض کیا: مجھے احسان کے بارے میں بتائیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ

أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ

''تو اللہ عزوجل کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہ دیکھ سکے تو یہ جان لے کہ یقیناً وہ تجھے دیکھ رہا ہے''۔

(بخاری، الصحیح، ۱:۲۷، کتاب الایمان، باب: سوال جبرائیل النبیؐ)

ایمان کے جواب میں حضور نبی اکرم ﷺ نے بنیادی عقائد اور اسلام کے جواب میں اسلام کے بنیادی ارکان کا تذکرہ فرمایا۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اگر کل دین فقط عقائد و اعمال کے مجموعے کا نام ہوتا اور عقائد و اعمال کے علاوہ دین کا کوئی مزید حصہ نہ ہوتا تو جبرائیل امین ایمان اور اسلام کے سوالات کے بعد تیسرا سوال نہ کرتے اور بالفرض اگر سوال کر لیا تھا تو حضور علیہ السلام جواب نہ دیتے اور فرماتے کہ کل دین ایمان اور اسلام کی صورت میں عقائد اور اعمال کا مجموعہ ہے ان پر عمل درآمد کرو تو دین مکمل ہوگیا مگر آقا علیہ السلام نے تیسرے

☆ خطاب نمبر:46-En(12-09-2004)

سوال (''احسان کیا ہے''؟) کا جواب بھی دیا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ دینِ کامل کے تین اجزاء عقائد، اعمال اور احسان ہیں۔ یہ تینوں یکجا ہوں تو دین مکمل ہوتا ہے۔

اسلام اور ایمان کے جواب میں عقائد و اعمال بیان فرمائے احسان کی وضاحت میں آپ ﷺ نے عقیدہ یا عمل بیان نہیں کیا بلکہ فرمایا:

**اَلْاِحْسَانُ، أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ.**

''احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس حال میں کرو گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ کیفیت حاصل نہ ہو تو یہ یقین رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

## مشاہدہ کیسے نصیب ہوتا ہے؟

گویا احسان ایک روحانی حالت اور باطنی کیفیت کا نام ہے کہ جب تو عبادت کرے تو یوں لگے کہ تو اس کا جلوہ کر رہا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس کیفیت اور حالت کو کیسے پایا جائے تاکہ اس کا جلوہ نصیب ہوجائے؟ اس کا جواب بھی اس حدیث مبارکہ کے روحانی معنی میں پنہاں ہے کہ اگر یہاں پر كَانَ کو ناقصہ کی بجائے كَانَ تامہ کہا جائے تو یہ جواب بنتا ہے کہ

فَإِنْ لَمْ تَكُن ''اگر تو نہ رہے''

یعنی جب تو خود درمیان سے اپنے وجود کو نکال دے گا تو ''تَرَاهُ'' تو اس کو دیکھ لے گا۔ اس کو دیکھنے میں رکاوٹ تیرا وجود ہے۔ وہ تو بے نقاب ہے، تیرا وجود اور تیرا نفس خود پردہ بن کر اس کے مشاہدے کے درمیان حائل ہے۔ لہٰذا فَإِنْ لَمْ تَكُنْ کے تحت جب تو اپنے وجود کو فنا کر دے گا اور اس کی ذات میں فنا ہوجائے گا تو اس کے بعد تَرَاهُ کا مقام آئے گا کہ اسے بے نقاب دیکھ لے گا اور اس کے جلوے کا نظارہ کرے گا۔

یہ مقامِ فنا نبوت میں بھی ہے اور ولایت میں بھی ہے۔ اس فنا کے دروازے سے گزر کر مشاہدہ ہوتا ہے اور بقا ملتی ہے۔ بقا اس مشاہدے تک پہنچاتی ہے۔۔۔ مشاہدہ کے بعد مکاشفہ ہوتا ہے۔۔۔ مکاشفہ کے بعد مواجہہ ہوتا ہے۔۔۔ مواجہہ کے بعد مکالمہ ہوتا ہے۔ گویا ان تمام مراحل کا دروازہ فنا سے کھلتا ہے۔ انبیاء کرام و اولیاء عظام فنا کی وادی عبور کرتے ہیں اور بقا کے کنارے پہنچتے ہیں، تب مشاہدہ ہوتا ہے۔ معراج کی رات بھی آقا علیہ السلام اپنے مرتبے اور شان کے لائق فنا کی وادیوں کو عبور کر کے بقا کی وادی تک پہنچے۔ اس مقام کو قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا:

**مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى** (النجم، ۵۳: ۱۷)

''اُن کی آنکھ نہ کسی اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی (جس کو تکنا تھا اسی پر جمی رہی)''۔

## معراج النبی ﷺ حالتِ بیداری میں جسم و روح کے ساتھ ہوئی

معراج ایک معجزہ ہے، لہٰذا معراج النبی ﷺ کو معجزہ مان لینے کے بعد یہ بحث کرنا لاعلمی اور جہالت ہے کہ معراج جسمانی ہوا یا روحانی طور پر خواب میں ہوا؟ اس لیے کہ اگر معراج النبی ﷺ خواب میں ہوتی ہو تو پھر یہ معجزہ نہ رہتا۔ معجزہ اس کو کہتے ہیں جو عقل کو عاجز کر دے اور بطورِ عادت عقل کی سمجھ میں نہ آئے کیونکہ کوئی واقعہ خلافِ عادت ہوجائے تو عقل اس کو سمجھنے میں معذور ہوتی ہے اور جس کے سمجھنے میں عقل معذور ہو جائے وہ معجزہ ہوتا ہے۔ جب معراج ایک معجزہ ہے تو پھر یہ بیداری کا واقعہ ہے اور جسم و روح کے ساتھ ہے۔ اگر یہ خواب ہو تو تاریخِ انبیاء میں اسے ایک عظیم معجزہ قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لیے کہ کئی ایسے واقعات موجود ہیں جو خواب میں کلام کرنے سے بھی بڑھ کر ہیں۔ اس کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے کہ حالتِ بیداری میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی طور کی چوٹی پر اللہ سے ہمکلام ہو کر آئے ہیں۔ قرآن مجید نے اس امر کی طرف اشارہ کیا:

**وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ.** (الاعراف، ۷: ۱۴۳)

''اور جب موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے (مقرر کردہ) وقت پر حاضر ہوا اور اس کے رب نے اس سے کلام فرمایا تو (کلامِ ربانی کی لذت پاکر دیدار کا آرزو مند ہوا اور) عرض کرنے لگا: اے رب! مجھے (اپنا جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار کرلوں، ارشاد ہوا: تم مجھے (براہِ راست) ہرگز دیکھ نہ سکو گے۔''

ایسے واقعات کے موجود ہوتے خواب میں کلام کرنا عظیم معجزہ کس طرح قرار پاسکتا ہے؟

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عالم بیداری میں آسمانوں اور زمینوں کا نظارہ کیا ہے۔اس بات کو قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.

''اور اسی طرح ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں اور زمین کی تمام بادشاہتیں (یعنی عجائباتِ خلق) دکھائیں۔'' (الانعام، ۶: ۷۵)

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملکوت السمٰوٰت والارض کا بیداری میں مشاہدہ کیا۔ اس پیغمبرانہ تاریخ میں خواب میں ہمکلام ہونا ایک عام معجزہ رہ جاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کے معجزۂ معراج کے بیان میں فرمایا:

لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا. (الاسراء: ۱)

''تاکہ ہم اس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں''۔

دیگر انبیاء علیہم السلام تو حالتِ بیداری میں اللہ کی نشانیوں کا مشاہدہ کریں اور حضور ﷺ خواب میں مشاہدہ کریں تو اس انداز میں حضور ﷺ کی عظمت کا اظہار نظر نہیں آتا۔ اسی طرح جہاں پیغمبروں نے بغیر جبرائیل کے واسطہ کے اللہ سے براہِ راست کلام کیا ہو، وہاں خواب میں اللہ سے کلام کرنا کوئی عظمت کی بات نہیں رہ جاتی۔ لہٰذا یہ بڑی نادانی کی بات ہوگی کہ معراج النبی ﷺ کو معجزہ مان کر پھر بحث کی جائے کہ بیداری میں ہوا یا خواب میں ہوا، روحانی ہوا یا جسمانی ہوا؟

## واقعۂ معراج کو آزمائش کیوں قرار دیا گیا؟

آقا علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے معراج عطا کی اور صبح آپ ﷺ نے واقعۂ معراج بیان کیا کہ میں راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ اور پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ اور اس سے آگے قاب قوسین او ادنیٰ تک گیا اور واپس آ گیا تو یہ واقعہ سن کر نئے نئے مسلمان ہونے والوں کی ایک جماعت مرتد ہوگئی اور اسلام کو چھوڑ دیا۔ اس بات کو جملہ مفسرین نے بیان کیا ہے۔ حضور علیہ السلام کی زبانِ اقدس سے اس عجیب بات کو سن کر انہوں نے اسے عقل کے برخلاف قرار دیا، اس لیے کہ یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی کیونکہ وہ ابھی اس مقام پر نہیں پہنچے تھے کہ آپ ﷺ کی زبانِ اقدس سے سُن کر فوراً ایمان لے آئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بارگاہ میں سمجھ کے چراغ بجھانے پڑتے ہیں تب سمجھ ملتی ہے۔

محرم ایں ہوش جز بے ہوش نیست

اس راز کو جاننے کے لئے جو خاص سمجھ درکار ہے وہ محبوب کی محبت و عقیدت اور وارفتگی میں بے ہوشی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کہ یہ وہ ہوش ہے جس کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ایک ہوش تجلی کے اثر سے گنوانا پڑا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ربِّ اَرِنِیْ کی گزارش کے جواب میں لَنْ تَرَانِیْ کا فرمان اور پھر کوہِ طور پر پڑنے والی تجلی کے اثر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بے ہوش ہونا، پہلے ہوش کو خیر باد کہنے ہی کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب نیا ہوش آیا تو عرض کیا:

تُبْتُ اِلَيْکَ

مولیٰ! میں اپنی طرف سے اور اپنے آپ سے نکل کر تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ گویا اس ہوش کے لئے پہلے ہوش کا چراغ بجھانا پڑتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آقا علیہ السلام نے اہلِ مکہ کو جمع کر کے خواب سنایا تھا کہ میں نے یہ ساری معراج خواب میں کی ہے تو کسی کے مرتد ہوجانے کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا، اس لیے کہ خواب تو آتے رہتے ہیں۔ آقا علیہ السلام نے جو کچھ بیان فرمایا اگر اس سے بھی عجیب تر فرما دیتے اور کہتے کہ یہ سب خواب میں ہوا تو کسی کو منحرف ہونے اور اسلام چھوڑنے کی ضرورت نہ تھی۔ صرف اس ایک دلیل کو ذہن میں رکھ لیں کہ اس وقت بہت سے لوگ اس واقعہ کو خواب سمجھ کر مرتد ہوئے یا بیداری کا واقعہ سمجھ کر مرتد ہوئے؟ اگر خواب سمجھتے تو عقل تو خواب مانتی ہے، لہٰذا وہ لوگ اسلام پر قائم رہتے مگر آپ ﷺ تو بیداری کی بات کر رہے تھے کہ یہ واقعہ حالتِ بیداری میں پیش آیا، لہٰذا وہ مرتد ہوگئے۔ اس پر بڑی کامل دلیل قرآن مجید میں ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ.

''اور ہم نے تو (شبِ معراج کے) اس نظّارہ کو جو ہم نے

آپ کو دکھایا لوگوں کے لیے صرف ایک آزمائش بنایا ہے (ایمان والے مان گئے اور ظاہر بین الجھ گئے)۔'' (الإسراء، ۱۷: ۶۰)

مشاہدہ کو بھی رؤیا کہتے ہیں۔ الرُّؤْیَا پر اَرَیْنٰکَ فعل کا داخل ہونا اسے خواب نہیں بلکہ بیداری بناتا ہے۔ آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ میرے حبیب ﷺ! ہم نے آپ کو جو مشاہدہ کروایا ہے، اسے بہت سے لوگوں کے ایمان کے لئے آزمائش بنا دیا ہے۔ جب آپ ﷺ نے معراج کا مشاہدہ بیان کیا تو کتنے ہی لوگ تھے جو اپنا ایمان نہ بچا سکے۔ یہ لوگ وہ تھے جنہوں نے قبول اور عدمِ قبول کا مدار اپنی عقل کو بنا لیا تھا اور نتیجتاً ایمان کے راستے سے بھٹک گئے۔

دوسری طرف سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی زبان اقدس سے واقعہ معراج سننے سے قبل ہی آپ ﷺ کی بات کی تصدیق کردی اور آپ ﷺ کی بارگاہ سے ''صدیق'' کے لقب کے مستحق ٹھہرے۔ (تفسیر القرطبی، ۱۰: ۲۸۵)

گویا حضرت ابوبکرؓ کا لقب ''صدیق'' آپ کو معراج کے موقع پر عطا ہوا۔ یہ واقعہ بھی ثابت کرتا ہے کہ آپ ﷺ کو معراج حالتِ بیداری میں ہوئی تھی اور آپ ﷺ نے بھی اِسے حالتِ بیداری میں عطا کیے گئے معجزہ کے طور پر بیان فرمایا ہے، اسی لیے کفار ومشرکین اسے قبول کرنے سے انکار کررہے تھے۔

## اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْر سے مراد کون ذات ہے؟

مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کا سفر واقعۂ معراج کا پہلا مرحلہ ہے۔ مسجدِ اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک کا سفر دوسرا مرحلہ ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ سے قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی تک کا سفر معراج کا تیسرا مرحلہ ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۃ بنی اسرائیل/ الاسراء کی پہلی آیت میں واقعہ معراج کو بیان فرماتے ہوئے آخر میں اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْر کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اللہ اپنے حبیب مکرم کو سیر کروارہا ہے، مشاہدہ کروا رہا ہے، اپنی نشانیاں دکھا رہا ہے مگر اس تمام کا ذکر کرنے کے مَعاً بعد فرمایا: اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْر بے شک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ یہاں اللہ کے سننے اور دیکھنے کا کیا مطلب ہے؟

بے شک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے مگر یہاں اللہ کی اِن صفات کے ذکر کا سباقِ کلام سے تعلق نہیں بن رہا، اس لیے کہ واقعہ معراج میں سننے اور دیکھنے والے تو حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات کریمہ تھی۔

اللہ رب العزت نے صیغہ غیب سے بات شروع کی کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ''پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک'' یہ فرمانے کے بعد یکا یک خطاب کے رُخ کو بدل دیا اور فرمایا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ ''وہ مسجد اقصیٰ جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی''۔ یہاں پر صیغہ غائب (وہ ذات) کو جمع متکلم (ہم نے برکت رکھی) میں تبدیل فرمادیا اور پھر دوبارہ صیغہ بدل دیا اور صیغہ غائب کو استعمال فرمایا کہ ''اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْر'' (بے شک وہی سننے والا دیکھنے والا ہے)۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ! اگر بات ''ہم'' کر کے کرنی تھی تو ابتداء سے ہی ہم سے مضمون شروع کرتا کہ ہم پاک ہیں جو لے گئے اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے اردگرد کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنا دیا تاکہ ہم اُسے اپنی نشانیاں دکھائیں اور آخر میں بھی یہی فرماتا کہ ہم ہی سننے والے اور دیکھنے والے ہیں۔ صیغوں کو یکے بعد دیگرے تبدیل فرمانے کی کیا حکمت ہے کہ سب سے پہلے ''وہ'' کہہ کر بات شروع کی، درمیان میں ''ہم'' آگیا اور آخر میں پھر ''وہ'' آگیا؟

اس موقع پر جس سمع و بصر کا ذکر ہے دراصل وہ حضور علیہ السلام کی سمع و بصر ہے۔ اس لیے کہ معراج کی رات فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی کے مصداق سُن بھی حضور ﷺ رہے ہیں اور مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی کے مصداق دیکھ بھی حضور ﷺ رہے ہیں۔ پس یہاں پر حضور نبی اکرم ﷺ کے دیکھنے اور سننے کے عمل کو بیان کیا جارہا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کبھی بے محل نہیں ہوتا، کبھی موقع کی مناسبت کے خلاف نہیں ہوتا، یہ اللہ کی شان کے خلاف ہے۔ جہاں جس چیز کا ذکر ہوتا ہے، وہاں وہ اپنی اسی صفت کو بیان کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ بات بخشنے کی ہو رہی ہو اور اللہ عذاب دینے کی صفت بیان کردے، یا بات عذاب

اور گرفت کی ہورہی ہو اور اللہ اپنی صفت غفور و رحیم بیان کردے۔ یعنی اللہ کی انہی صفات و افعال کا بیان ہوگا جس کی موافقت اس کلام اور بیان کے موقع محل کے ساتھ ہے۔ اس آیت مبارکہ میں موقع تو یہ ہے کہ حضورﷺ نے دیکھا اور جو حضورﷺ کی آنکھوں نے دیکھا، دل نے اسے جھٹلایا نہیں بلکہ تصدیق کی کہ اے آنکھ تو نے سچ دیکھا۔ قرآن بیان کر رہا ہے کہ جب مصطفیٰﷺ نے دیکھا تو ان کی آنکھ جھپکی بھی نہیں اور بھٹکی بھی نہیں یعنی اس آنکھ کی توجہ اتنی کامل تھی کہ ایک لمحے کیلئے جھپکنا بھی خلافِ ادب سمجھا۔ مَـا زَاغَ الْبَـصَـرُ وَمَا طَغٰی میں کمالِ ادب بھی ہے کہ مشاہدۂ حق کے دوران آنکھ کا جھپکنا بھی بے ادبی خیال کیا۔

## مقاماتِ تفرقہ، جمع اور جمع الجمع

آیت مبارکہ میں صیغوں کے بار بار تبدیل فرمانے کی حکمت یہ ہے کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ میں تصوف اور معرفت کی اصطلاح کے مطابق ''مقامِ تفرقہ'' ہے۔ جس میں لے جانے والے (الّـذی) اور جانے والے (بـعبـدہ) کا ذکر الگ الگ بیان ہورہا ہے۔

اُس کے بعد فرمایا: بٰـرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا، یہاں جمع کا صیغہ استعمال فرمایا۔ یہ ''مقامِ جمع'' ہے۔ حضورﷺ کا معراج مرحلہ وار بلند ہو رہا تھا، معراج کی ابتدا ''مقامِ تفرقہ'' سے ہوئی اور جب مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ پر گئے تو معراج دوسرے مقام پر تھی۔ لہذا روحانی مقام ''تفرقہ'' سے ''جمع'' میں منتقل ہوگیا اور اس طرح اس مقام کو بھی معراج نصیب ہوگئی۔

پھر جب سدرۃ المنتہیٰ بھی نہ رہا، نہ عالمِ مکاں رہا، نہ عالمِ ملکوت، نہ عالمِ جبروت اور نہ عالمِ لاہوت رہا بلکہ سب کچھ نیچے رہ گیا، رف رف اور بقعہ نور بھی رک گئے، حضورﷺ ثـم دنـی پر پہنچے تو یہ روحانی مقام ''جمع الجمع'' تھا۔ وہاں خدا مصطفیٰﷺ کو دیکھ رہا تھا اور مصطفیٰﷺ خدا کو دیکھ رہا تھا۔۔۔ خدا مصطفیٰﷺ کی باتیں سن رہا تھا اور مصطفیٰﷺ خدا کو سن رہا تھا۔۔۔ دیکھنے والے دو تھے اور سننے والے بھی دو تھے لہذا اِنَّـهٗ میں ''ہٗ'' سے ایک کا اشارہ کر دیا اور ھُوَ سے دوسرے کا اشارہ کردیا۔

آیت معراج کے پہلے لفظ میں سُبْـحٰـنَ الَّـذِیْ کہہ کر کافروں کے اعتراض کو رد کردیا کہ تم کہتے ہو کیسے گئے اور کیسے آئے؟ میرے مصطفیٰ نے تو کہا ہی نہیں کہ میں گیا بلکہ سُبْـحٰـنَ الَّـذِیْٓ اَسْـرٰی میں لے گیا ہوں۔ وہ جانے کا دعویٰ کرتے تو اعتراض بنتا، دعویٰ تو یہ ہے کہ میں لے گیا ہوں، مجھ سے پوچھو کیسے لے گیا ہوں؟

اعتراض کیا گیا کہ اللہ کو کیسے دیکھا تو اُس کا جواب دیا کہ سنو! اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْر دیکھنے اور سننے والا تو میں ہی تھا مگر مصطفیٰ نے ایسے دیکھا کہ میں نے اپنی بصر کا لباس مصطفیٰﷺ کو پہنا دیا، نتیجتاً مصطفیٰﷺ میرے ذریعے مجھے دیکھ رہا تھا، لہذا مشاہدہ کرنے والا مصطفیٰﷺ ہوا۔ پوچھتے ہو کیسے سن سکتے ہیں؟ اس طرح کہ میں نے اپنی سمع کا لباس مصطفیٰﷺ کو پہنا دیا۔ گویا اللہ رب العزت نے اپنی سماعت و بصارت کے دو جبے مصطفیٰﷺ کو پہنا دیئے اور فرمایا کہ سمع میری تھی سن مصطفیٰﷺ رہا تھا۔۔۔ بصر میری تھی، دیکھ مصطفیٰﷺ رہا تھا۔۔۔ اس طرح مصطفیٰﷺ کا دیکھنا میرا دیکھنا تھا اور مصطفیٰﷺ کا سننا میرا سننا تھا۔

اس میں وہ راز تھا جس کے بارے آقاﷺ نے فرمایا:

**وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا.**

(بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب التواضع، ۵: ۲۳۸۴، رقم: ۶۱۳۷)

''میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اُس سے محبت کرتا ہوں تو اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے اور اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ چلتا ہے۔''

یہ ایک ولی کی شان ہے کہ وہ اس کے کان، آنکھ اور ہاتھ بن جاتا ہے۔ اگر ولی کو قربِ نوافل اور قربِ فرائض کے صلے میں وہ اپنی سمع و بصر کا لباس پہنا دیتا ہے تو مصطفیٰﷺ کا کیا مقام ہوگا؟ قَـابَ قَـوْسَين پر وہ خدا کی آنکھ سے دیکھ بھی سکتے ہیں اور خدا کا کلام خدا کے کان سے سن بھی سکتے ہیں۔ یہ

مقامِ جمع الجمع تھا اور قرآن نے اس کی شہادتیں دی ہیں۔

## حضورﷺ کا دیکھنا، اللہ کا دیکھنا کیسے بن گیا؟

اگرکوئی یہ کہے کہ حضورﷺ کا دیکھنا اللہ کا دیکھنا اور حضورﷺ کا سننا اللہ کا سننا کیسے بن گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسی طرح ہے جیسے حضور کا کنکریاں پھینکنا، اللہ کا پھینکنا بن گیا، جس کے بارے میں قرآن مجید نے یوں فرمایا:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال: ۱۷)

''محبوب جو کنکریاں تو نے ماریں وہ تو نے نہیں ماریں بلکہ وہ تو اللہ نے ماریں''۔

پھر فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ. (الفتح: ۱۰)

''(اے حبیب!) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اوپر ہے''۔

دنیا دیکھتی ہے کہ مصطفیٰﷺ کا ہاتھ ہے مگر اللہ فرما رہا ہے کہ نہیں وہ تو خدا کا ہاتھ ہے۔ ایک ہی ہاتھ کے دو نام رکھ دیئے۔ صورتاً مصطفیٰﷺ کا ہاتھ ہے اور معناً خدا کا ہاتھ ہے۔ جس طرح مصطفیٰﷺ اور خدا کا ہاتھ صورتاً اور معناً سمجھ میں آ گیا اسی طرح اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْر کا مطلب بھی یہی ہے۔

## مراحلِ معراج: مقامِ ارادہ سے مقامِ وحدت کا سفر

آقاء علیہ السلام کے معراج کے سفر میں مسجدِ حرام محلِّ ارادہ ہے اور مسجد اقصیٰ محلِّ محبت ہے۔ لہذا آپﷺ محلِّ ارادہ کے ذریعے محلِّ محبت تک پہنچے۔۔۔ اور پھر محلِّ محبت سے لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا کے مصداق محلِّ معرفت تک پہنچے۔۔۔ اور پھر محلِّ معرفت سے ارتقا کر کے محلِّ توحید تک پہنچے۔۔۔ جب اس سے آگے گزر گئے تو محلِّ نور آ گیا۔۔۔ پھر محلِّ نور سے محلِّ تفرید آ گیا۔۔۔ محلِّ تفرید سے بڑھ کر جب ثُمَّ دَنٰى کا مقام آیا تو یہ محل و مقامِ فنا ہے۔۔۔ پھر فَتَدَلّٰى کا مقام آیا تو یہ مقام و محلِّ بقا ہے۔۔۔ فتدلّٰی کے بعد وَقَابَ قَوْسَيْنِ کا مقام آیا تو یہ مقام و محلِّ التفات ہے۔۔۔ پھر اَوْ اَدْنٰى آیا تو یہ مقام محلِّ وحدت ہے۔۔۔ اس طرح روحانی معراج کا سفر بھی اِن مراحل سے گزر کر مکمل ہوا۔

معراج النبیﷺ ایک ہمہ جہت معراج ہے۔ اس میں حضورﷺ کے جملہ لطائف اور ظاہر و باطن کا معراج ہے۔ شب معراج نفسِ محمد ﷺ کا بھی معراج ہوا اور نفس معراج پا کر مقامِ قلب پر جا پہنچا۔۔۔ مقامِ قلب مقامِ عقل پر جا پہنچا۔۔۔ عقل معراج کر کے مقامِ روح پر پہنچی، روح معراج کر کے مقامِ سر تک پہنچی۔۔۔ اور سرِ مصطفیٰ معراج کر کے مقامِ خفی پر پہنچا۔۔۔ اور وہ معراج کر کے سرّ السر تک پہنچا۔۔۔ اور وہ معراج کر کے مقامِ اخفیٰ پر پہنچا۔ اس طرح عالمِ خلق اور عالمِ امر کے جملہ لطائفِ محمدی علیہ السلام کا معراج ہوا اور ہر مقام اپنے مقام سے بلند ہو کر اوپر کے مقام پر فائز ہوا اور اس پر اس مقام کے خواص طاری ہوگئے بلکہ جو واردات، انوار و تجلیات اور مشاہدات اوپر کے مقامات پر تھے وہ بھی یکے بعد دیگرے جملہ لطائفِ محمدی علیہ السلام کو نصیب ہوتے چلے گئے۔

## حضورﷺ مظہرِ الٰہیہ کا کامل پرتو کیسے ہیں؟

جب حضورﷺ سفرِ معراج کے دوران آخری مقام پر آئے تو ثم دنی ایک قرب تھا۔۔۔ فتدلّٰی دوسرا قرب تھا۔۔۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ تیسرا قرب تھا۔۔۔ اور اَوْ اَدنیٰ چوتھا قرب تھا۔ اس کی کچھ تفصیل اس طرح ہے:

### (۱) قربِ اسماءِ الٰہیہ کا رنگ

دنٰی میں قربِ اسماء تھا۔ اسماءِ مصطفیٰﷺ کو اسماءِ الٰہیہ کے قریب کیا جا رہا تھا۔ اس کا فیض یہ ہے کہ اگر وہ رؤف ہے تو مصطفیٰﷺ بھی رؤف ہے۔۔۔ وہ رحیم ہے تو مصطفیٰﷺ بھی رحیم ہے۔۔۔ وہ کریم ہے تو مصطفیٰﷺ بھی کریم ہے۔۔۔ وہ شہید ہے تو مصطفیٰﷺ بھی شہید ہے۔۔۔ وہ حق ہے تو مصطفیٰﷺ بھی حق ہے۔ اس طرح حضورﷺ کے اسماء اللہ کے اسماء سے متصل ہوتے چلے گئے۔ اللہ کے اسماء کی صفات، اسماء مصطفیٰﷺ میں منتقل ہو رہی تھیں اور اس طرح حضورﷺ کے اسماء کو اللہ کے اسماء کا قرب مل رہا تھا۔

### (۲) قربِ صفاتِ الٰہیہ کا رنگ

فتدلّٰی پر قرب اور بڑھ گیا۔ دنٰی میں تین حروف ہیں، تدلّٰی کے چار حروف ہیں، حرف زیادہ ہوں تو معنی بھی زیادہ ہوتا ہے۔ دنٰی میں جو قرب تھا، تدلّٰی میں قرب اس سے بھی

بڑھ گیا۔ دنیٰ کا قرب اسماءِ مصطفیٰ ﷺ کا قرب تھا، جب تدلّٰی میں آئے تو صفاتِ مصطفیٰ ﷺ کو صفاتِ الٰہیہ کا قرب مل گیا اور صفاتِ خدا کا رنگ صفاتِ مصطفیٰ ﷺ پر چڑھ گیا۔ اس کے نتیجے میں نفسِ اور وجودِ مصطفیٰ ﷺ اپنی صفات سے فنا ہوگیا اور صفاتِ خدا کے ساتھ باقی ہوگیا۔ حضور ﷺ کے اپنے خلق اور صفات اُتر گئیں اور خدا کی شان کے لائق اس کے خلق اور صفات کا رنگ چڑھ گیا۔ جیسے رنگ ساز پہلے سے موجود رنگ کو اتار کر نیا رنگ چڑھاتا ہے، بلاتشبیہ و بلا مثال اسی طرح صفاتِ محمد ﷺ، صفاتِ بشریت اور نفسِ محمدی علیہ السلام کے جو رنگ پہلے تھے، رب کائنات نے اُن سب کو اتار دیا اور فرمایا: اے میرے مصطفیٰ ﷺ! اپنی صفات کو تیری صفات کے قریب کر کے تدلّٰی کے فیض سے ان پر اپنی صفات کا رنگ یوں چڑھاتا ہوں کہ اب ذات تیری ہوگی مگر صفات میری ہوں گی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب صفاتِ الٰہیہ اور اخلاقِ الٰہیہ کا رنگ صفاتِ مصطفیٰ پر چڑھ گیا تو حضور ﷺ کی صفات بدل گئیں۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا:

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ. (القلم:۴)

''اے میرے حبیب ﷺ! اب آپ کا خلق، عظمت کی اعلیٰ بلندیوں پر فائز ہوگیا''۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا:

ام المؤمنین! حضور کا خلق یعنی صفات کیا ہیں؟ آپ نے جواب دیا: کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ خُلُقُهُ الْقُرْان. حضور کے اخلاق قرآن تھے یعنی قرآن حضور کے اخلاق اور صفات کا نام ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کلام میں ایک راز کی بات فرما گئی ہیں اور جس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن اللہ کے کلمات ہیں اور کلمات متکلم کی صفات ہوتی ہیں۔ قرآن اللہ کا کلام ہے یعنی اللہ کی صفات ہیں۔ ایک طرف قرآن اللہ کی صفات ہے اور دوسری طرف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس قرآن کو حضور ﷺ کا خلق ہونے کے باعث حضور ﷺ کی صفات قرار دے رہی ہیں۔ گویا قرآن اللہ کی صفت بھی ہے اور مصطفیٰ ﷺ کی صفت بھی ہے، اس طرح کہ قرآن کی ہر آیت اللہ کی صفت لیکر اترتی تھی اور جب یہ کلام حضور ﷺ کے قلبِ اطہر پر اترتا تو حضور ﷺ کا ذاتی خلق ہٹا دیا جاتا اور اس آیت کے اندر موجود اللہ کا خلق اور صفت حضور ﷺ کے خلق اور صفت پر چڑھا دیا جاتا۔ اس طرح ہر آیت حضور ﷺ کے ذاتی خلق و صفت کو ہٹا دیتی اور اللہ کے اخلاق و صفات کا رنگ چڑھا دیتی۔ یوں ۲۳ برس میں جب قرآن مجید کا نزول مکمل ہوگیا تو حضور ﷺ کی ساری ذاتی صفات مٹا دی گئیں اور خدا کے اخلاق اور صفات کے سارے رنگ ان پر چڑھا دیئے گئے۔ دیکھنے میں ذات مصطفیٰ ﷺ کی تھی لیکن حقیقت میں ذاتِ خدا تھی۔ فَتَدَلّٰی میں اسی قربِ صفات کی طرف اشارہ ہے۔

## (۳) قربِ افعال و ذاتِ الٰہیہ کا رنگ

فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ کے مقام پر قربِ افعال کا رنگ نصیب ہوگیا۔ اسماء، صفات اور افعالِ محمدی ﷺ تمام کے تمام اسماء، صفات اور افعالِ الٰہیہ کے رنگ میں رنگے گئے۔

او ادنٰی کے مقام پر قربِ ذات نصیب ہوگیا۔ گویا ذاتِ مصطفیٰ ﷺ ذاتِ خدا کی مظہر بن گئی۔ صفاتِ مصطفیٰ ﷺ صفاتِ خدا کی مظہر بن گئیں، اسماءِ مصطفیٰ ﷺ اسماءِ خدا کے مظہر بن گئے اور افعالِ مصطفیٰ ﷺ افعالِ الٰہیہ کے مظہر بن گئے۔

## مظہریتِ کاملہ اور حکمِ وحدت

جب مظہریت کامل ہوئی تو وحدت کا حکم آ گیا۔ اسی لئے ہمیں قرآن مجید میں جابجا یہ اسلوب اور حکم دکھائی دیتا ہے کہ جو میرے حبیب ﷺ کی بیعت کرتا ہے وہ اللہ کی بیعت ہے۔۔۔ جو حضور ﷺ کی اطاعت کرے وہ اللہ کی اطاعت ہے۔۔۔ جو حضور ﷺ کی نافرمانی کرے وہ اللہ کی نافرمانی ہے۔۔۔ جو حضور ﷺ کی بے ادبی کرے وہ اللہ کا بے ادب ہے۔۔۔ جو حضور ﷺ کا ادب کرے وہ اللہ کا ادب ہے۔۔۔ جو حضور ﷺ سے محبت کرے وہ اللہ سے محبت ہے۔۔۔ حضور ﷺ کی رضا اللہ کی رضا ہے۔۔۔ حضور ﷺ کی عطا اللہ کی عطا ہے۔۔۔ حضور ﷺ کا قرب اللہ کا قرب ہے۔۔۔ حضور ﷺ کی ناراضگی اللہ کی ناراضگی ہے۔۔۔ حضور ﷺ کا حکم اللہ کا حکم ہے۔۔۔ حضور ﷺ کا حلال کرنا اللہ کی تعلیم۔۔۔ حضور ﷺ کا حرام کرنا اللہ کی تعلیم۔ اس طرح مظہریت کاملہ کے نتیجہ میں حکمی وحدت آ گئی۔

علامہ ابن تیمیہ اور دیگر علماء نے لکھا ہے کہ:

قَدْ أَقَامَهُ اللهُ مَقَامَ نَفْسِهِ فِيْ اَمْرِهِ وَنَهْيِهِ وَأَخْبَارِهِ وَبَيَانِهِ فَلَا يَجُوْزُ اَنْ يُّفَرَّق بَيْنَ اللهِ وَرَسُوْلِهِ.

(ابن تیمیۃ، الصارم المسلول: ۲: ۸۷)

یعنی اللہ اور رسول ﷺ کے درمیان امر و نہی، کلام اور خبر کے حوالے سے ایک رتی برابر فرق کرنا جائز نہیں۔ جو رسول نے کہا وہی خدا نے کہا۔ جس کو رسول نے بخشا، اسی کو خدا نے بخشا۔ یہ اس معراج کی انتہا تھی۔

## ذکرِ مصطفیٰ ﷺ، ذکرِ خدا ہے!

وحدتِ حکمی کا عالم یہ تھا کہ رب کائنات نے فرمایا: میرے حبیب اب تیرا ذکر بھی میرا ذکر ہے۔ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کی ایک تعبیر تو یہ ہے کہ

اِذَا ذُکِرَتُ ذُکِرَتَ مَعِیْ

"جہاں میرا ذکر کیا جائے وہاں تیرا ذکر کیا جائے"۔

یعنی اللہ نے اپنے ذکر اور حضور ﷺ کے ذکر کو لازم و ملزوم کر دیا۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

وَجَعَلْتُ تَمَامَ ذِکْرِی مَعَکَ تَمَامَ الْاِیمان

"ایمان مکمل نہیں ہوگا اگر میرا ذکر اور تیرا ذکر اکٹھا نہیں ہوگا"۔

یعنی دونوں ذکر اکٹھے ہوں تو ایمان بنتا ہے۔ اگر صرف اللہ کا ذکر ہو اور حضور ﷺ کا ذکر نہ ہو تو اللہ اسے رد کر دیتا ہے۔

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کی دوسری تعبیر یہ ہے کہ رب کائنات نے فرمایا: اے میرے حبیب اب تیرے ذکر کو میں نے اپنا ذکر کر دیا۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے روایت کیا اور امام ابن عطاء نے اس روایت کی تصدیق کی، قاضی عیاض نے اسے الشفا میں بیان فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے:

اَیْ جَعَلْتُکَ ذِکْرًا مِنْ ذِکْرِیْ فَمَنْ ذَکَرَکَ ذَکَرَنِیْ وَلَیْسَ اَحَد یَذْکُرُکَ فِی رِسَالَةٍ اِلَّا ذَکَرَنِیْ فِی الرَّبُوْبِیَةِ.

یعنی آپ ﷺ کے ذکر کو میں نے اپنا ذکر بنا دیا، اب جو آپ ﷺ کا ذکر کرے گا، اس میں میرا ذکر خود بخود ہوگیا۔ محبوب جو شخص آپ ﷺ کی شان بیان کرے گا، مجھے اپنی عزت کی قسم! بیان تو آپ کی شانِ رسالت کا ہوگا مگر صرف شانِ رسالت بیان کرنے سے ہی میری ربوبیت کا ذکر خود بخود اس میں ہوگیا۔ گویا ذکرِ شانِ رسالتِ مصطفیٰ ﷺ، ذکرِ ربوبیتِ خدا ہے۔

یہ الفاظ غور طلب ہیں کہ فرمایا: فَمَنْ ذَکَرَکَ ذَکَرَنِیْ

حبیب جو آپ ﷺ کا ذکر کرے اس نے میرا ذکر کر دیا۔ یوں نہیں فرمایا کہ فمن ذکرنی ذکرک جو میرا ذکر کرے، اس نے آپ کا بھی ذکر کر دیا۔ یہ اسلوب اس لیے اختیار نہ کیا کہ اگر ایسا ہوگیا تو لوگ ساری رات اللہ اللہ کرتے رہیں گے اور میرے محبوب ﷺ کا کوئی نام نہیں لے گا۔ کہیں گے کہ خدا کے ذکر میں مصطفیٰ ﷺ کا ذکر خود بخود ہوگیا۔ فرمایا: جو محض ذکر خدا کرے گا اور آپ ﷺ کا ذکر نہیں کرے گا، وہ سُن لے کہ جب آپ ﷺ کا ذکر نہیں ہوا تو میرا بھی نہ ہوا۔ جو آپ ﷺ کا ذکر نہ کرے اور میرے ذکر کو تنہا کرے تو میں بھی قبول نہیں کرتا بلکہ رد کر دیتا ہوں۔

لہٰذا حکم یہ ہے کہ فَمَنْ ذَکَرَکَ ذَکَرَنِیْ حبیب جو آپ ﷺ کا ذکر کرے اس میں میرا ذکر خود بخود ہوگیا۔ پس جو ساری رات محمد ﷺ، محمد ﷺ کرتا رہے، اُس کے نامۂ اعمال میں محمد ﷺ، محمد ﷺ، تو لکھا ہی ہوگا مگر اجر میں اللہ، اللہ بھی لکھا ہوگا۔ حضرت خواجہ غلام فرید نے فرمایا تھا:

؎ محمد ﷺ محمد ﷺ کرندے گزر گئی

پس جس کی محمد ﷺ کرندے گزر گئی، اس کی اللہ اللہ کرندے گزر گئی اور وہ سمجھے کہ وہ اللہ اللہ کرتا رہا۔ پس ذکرِ محمد ﷺ میں ذکرِ خدا بھی ہے۔

معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنی ذات، صفات، افعال، اسماء، ظاہر اور باطن میں ایسا مظہرِ اتم بنا دیا کہ بس معبود اور عبد کا فرق باقی رہا۔ حضور ﷺ عبد رہے اور وہ معبود رہا۔ خالق و مخلوق کے فرق کو باقی رکھا اور باقی سارے فرق مٹا دیئے۔ پس عقیدہ یہ ہے کہ اب جو فرقِ عبدیت یعنی عبد اور معبود کا فرق مٹائے وہ مشرک ہے اور جو اس ایک فرق کے سوا اور فرق لگائے وہ کافر ہے۔

تم ذاتِ خدا سے نہ جدا ہو، نہ خدا ہو
اللہ ہی کو معلوم ہے کیا جانیے کیا ہو

❁❁❁❁❁

الفقہ: آپ کے فقہی مسائل

# نماز عابد و معبود کے درمیان قرب کا ذریعہ ہے

''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میری امت سب سے پہلے جس شے سے محروم ہوگی وہ خشوع ہے''

مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

**سوال: کیا نماز میں دنیاوی خیالات کا آنا اس کی عدمِ قبولیت کی علامت ہے؟**

جواب: نماز مسلمان کے لئے سب سے قیمتی تحفہ ہے جو اسے دیگر مذاہب کے پیرو کاروں سے منفرد و ممتاز بناتی ہے۔ نماز ایسی عبادت ہے جو عابد و معبود کے درمیان احساسِ قربت کا ذریعہ ہے، بندہ مومن جب نماز ادا کرتا ہے تو وہ محض قیام و تلاوت اور رکوع و سجود نہیں کر رہا ہوتا بلکہ اپنے رب تعالیٰ سے ہمکلام ہوتا ہے، یہی انسان کی معراج ہے۔

اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ حالتِ نماز میں خشوع و خضوع نہیں رہتا، انسان کا دھیان ادھر ادھر بھٹکنے لگتا ہے، دنیاوی خیالات دل و دماغ کو گھیر لیتے، انسان بظاہر ارکانِ نماز ادا کر رہا ہوتا ہے مگر اس کی توجہ کہیں اور ہوتی ہے۔ نماز میں وساوس یا دنیاوی خیالات کا آنا بہت عام ہے۔ اسی لیے رسول ﷺ نے فرمایا:

''میری امت سب سے پہلے جس شے سے محروم ہوگی وہ خشوع ہے''۔

خشوع سے مراد وہ کیفیت ہے جس میں انسان کا دل شوقِ الٰہی سے بھرپور ہو، لبوں سے ادا ہونے والے الفاظ کا اظہار اعضائے جسمانی سے بھی ہو رہا ہو، جسم کعبہ کی طرف اور دل ربِ کعبہ کی طرف متوجہ ہو۔ اگرچہ نماز میں دنیاوی خیالات یا وساوس آنے سے نماز کی صحت و قبولیت پر کوئی اثر نہیں ہوتا، یہ نماز کی عدمِ قبولیت یا رب تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث بھی نہیں ہیں، تاہم ان دنیاوی خیالات کو طول نہیں دینا چاہیے بلکہ فوراً جھٹک دینا چاہیے اور جہاں تک ممکن ہو کوشش کریں کہ نماز میں خشوع و خضوع برقرار رہے۔

دنیاوی خیالات آنے کی صورت میں نماز کی تلاوت قدرے بلند آواز میں کریں، اس سے توجہ خیالات سے ہٹ کر نماز کے الفاظ پر ہو جائے گی۔ مزید یہ کہ کچھ سورتوں یا آیات کا ترجمہ یاد کرلیں اور نماز میں ان کی تلاوت کریں۔ تلاوت کرتے ہوئے ان آیات کا ترجمہ بھی ذہن میں دہراتے رہیں، اس سے دھیان ادھر ادھر نہیں بھٹکے گا۔

## نماز میں یکسوئی حاصل کرنے کا طریقہ

امام غزالیؒ نے نماز میں شیطانی خیالات، وسوسوں سے بچنے اور خشوع و خضوع برقرار رکھنے کے لیے درج ذیل تدابیر بیان فرمائی ہیں:

۱۔ انسان جب اذان کی آواز سنے تو دل میں تصور کرے کہ مجھے میرے خالق و مالک اور غفور و رحیم کی بارگاہ سے حاضری کا بلاوا آیا ہے، اب میں ہر کام پر اس حاضری کو ترجیح دیتا ہوں۔ لہٰذا جس کام میں بھی مشغول ہو، اسے چھوڑ کر نماز کی تیاری کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ O (النور، ۲۴:۳۷)

''(اللہ کے اس نور کے حامل) وہی مردانِ (خدا) ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے اور نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوٰۃ ادا کرنے سے (بلکہ

دنیوی فرائض کی ادائیگی کے دوران بھی) وہ (ہمہ وقت) اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں (خوف کے باعث) دل اور آنکھیں (سب) الٹ پلٹ ہو جائیں گی‘‘۔

۲۔ نماز میں یکسوئی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مؤذن کی صدا سننے کے بعد نمازی کا دل بار بار اپنے مالک کی حاضری کی طرف متوجہ ہو اور خوش ہو کہ مالک نے یاد فرمایا ہے اور میں اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنی تمام روداد عرض کروں گا۔۔۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگوں گا۔۔۔ شوق و محبت سے قیام کروں گا۔۔۔ رکوع اور سجود کے ذریعے دلی راحت و سکون حاصل کروں گا۔۔۔ اور اسی طرح اپنے تمام غموں اور صدماتِ ہجر و فراق کا ازالہ کروں گا۔ میں محبوبِ حقیقی کی حاضری کے لیے طہارت کرتا ہوں، اچھے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر حاضر ہوتا ہوں کیونکہ میرے مالک کا حکم ہے:

یَا بَنِی آدَمَ خُذُواْ زِینَتَکُمْ عِندَ کُلِّ مَسْجِدٍ

’’اے اولادِ آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنا لباسِ زینت (پہن) لیا کرو‘‘۔ (الاعراف، ۷:۳۱)

پس بندے کو چاہئے کہ بارگاہِ خداوندی کی عظمت کا بار بار تصور کرتے ہوئے سوچے کہ اتنی بڑی بارگاہ میں کیسے حاضری دوں گا۔

۳۔ نماز میں یکسوئی حاصل کرنے کے لیے مکمل نماز کے معانی ذہن نشین کر لیے جائیں اور اس کا مفہوم لفظاً لفظاً ازبر کرلیا جائے۔ مثلاً: لفظ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ زبان سے ادا ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی بڑائی، پاکیزگی اور تقدس کا تصور دل و دماغ میں گھر کر جائے اور نمازی پر یہ خیال حاوی ہو جائے کہ وہ سب سے بڑے بادشاہ کے دربار میں دست بستہ حاضر ہے جو ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ وَبِحَمْدِکَ سے اس کی حمد و ثنا کی طرف نگاہ جائے کی وہی ذات ساری تعریفوں کے لائق ہے۔ علی ھذا القیاس ساری نماز کے ایک ایک لفظ پر نمازی کو آگاہی ہو تو نماز میں یکسوئی نصیب ہوتی ہے۔

۴۔ نمازی نماز میں یہ تصور کرے کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے شاید اس کے بعد زندگی مہلت نہ دے۔ بس یہ سوچ نمازی کو باقی چیزوں سے ان شاء اللہ اجنبی و بیگانہ کر کے اپنے رب کریم کی طرف متوجہ کر دے گی۔

## سوال: جنتری، فال یا ستاروں کی چال دیکھ کر بچوں کے نام رکھنا کیسا ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ نے بامعنی اور اچھا نام رکھنے کا حکم دیا ہے۔ امام طوسی روایت کرتے ہیں:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللهِ مَا حَقُّ إِبْنِیْ ھٰذَا؟ قَالَ (ﷺ) تَحَسِّنَ إِسْمُه وَادَّبَه وَضَعَه مَوْضِعاً حَسَناً. (محمد بن احمد صالح، الطفل فی الشریعۃ الاسلامیۃ:۴۷)

’’ایک شخص رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: یارسول اللہ (ﷺ) میرے اس بچے کا مجھ پر کیا حق ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: تو اس کا اچھا نام رکھ، اسے آداب سکھا اور اسے اچھی جگہ رکھ (یعنی اس کی اچھی تربیت کر)‘‘۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ نے نہ صرف اچھے ناموں کو پسند فرمایا بلکہ اچھے نام رکھنے کا حکم بھی دیا اور اسے بچے کا پیدائش کے بعد اولین حق قرار دیا۔ ستارے، جنتری یا فال کے ذریعے نام رکھنا توہم پرستی ہے اور شرعِ اسلامی میں توہمات کی کوئی حقیقت نہیں۔

## سوال: معاہدہ بیع ختم ہونے پر خریدار کا بیعانہ کی رقم دوگنا لینا کیسا ہے؟

جواب: جب خریدار اور فروخت کنندہ باہمی رضامندی سے خرید و فروخت کا معاملہ طے کر لیتے ہیں تو خریدار کچھ رقم پیشگی ادا کرتا ہے جسے بیعانہ کہا جاتا ہے۔ یہ دراصل فروخت شدہ شے کی قیمت کا ہی حصہ ہوتا ہے جو فوری ادا کر دیا جاتا ہے۔ خریدار طے شدہ مدت میں کسی وجہ سے باقی قیمت ادا کرنے سے عاجز آ جائے یا فروخت کنندہ بیچنے سے انکار کر دے تو صرف بیعانہ کی رقم واپس کی جائے گی، خریدار کی طرف سے زائد کا مطالبہ کرنا یا فروخت کنندہ کا رقم دبا لینا شرعاً جائز نہیں۔

حضرت عمرو بن شعیب ﷺ سے روایت ہے:

نَھَی رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ بَیْعِ الْعُرْبَانِ.

’’رسول اللہ ﷺ نے بیع عربان سے منع فرمایا ہے‘‘۔

بیع عربان یہی ہے کہ ایک شخص کوئی چیز خریدے اور فروخت کرنیوالے کو اس کی کچھ قیمت اس شرط پر دے کہ اگر خرید و فروخت مکمل ہوجائے تو دی گئی رقم سامان کی قیمت میں شمار کی جائے گی اور بیع مکمل نہ ہوسکے تو خریدار یہ رقم فروخت

کرنے والے کے لیے چھوڑ دے گا۔ اس کی وضاحت امام مالک نے ان الفاظ میں کی ہے:

''حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، مگر ہمارے خیال میں اس (بیع عربان) کا معنیٰ یہ ہے مثلاً: ایک آدمی غلام خریدے یا کرائے پر جانور لے تو کہے کہ میں آپ کو ایک دینار دیتا ہوں اس شرط پر کہ اگر میں سامان نہ لوں یا کرائے پر نہ رکھوں تو جو (دینار) میں نے آپ کو دیا ہے وہ آپ کا ہوگا''۔ (ابی داود، السنن، کتاب الإجارۃ، باب فی العربان، ۳:۲۸۳، رقم:۳۵۰۲)

جمہور فقہائے کرام نے اس بیع کو ممنوع و ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ اس صورت میں بلاعوض دوسرے کے مال کا مالک بننا لازم آتا ہے۔ اس لیے زید بکر کو وہی رقم واپس کرے جو اس نے بیعانہ کی صورت میں وصول کی تھی۔ بکر کے لیے دوگنا رقم کا مطالبہ اور اس کا حصول و استعمال جائز نہیں۔

## سوال: کیا ماہانہ یا سالانہ بنیادوں پر منافع دینے والی غیر مسلم کمپنیوں کی طرح مسلمان بھی کاروبار کر سکتے ہیں؟

جواب: مسلمانوں کے پاس اس طرح کے کاروبار کے لیے شرعی طریقہ بیع مضاربہ اور مشارکہ کی صورت میں موجود ہے۔

مضاربہ میں سرمایہ ایک شخص کا اور محنت دوسرے شخص کی ہوتی ہے۔ مضاربہ سے جتنا منافع حاصل ہو، طے شدہ مناسب کے مطابق آپس میں تقسیم کر لیں گے۔

مشارکہ میں دو یا زیادہ لوگ اپنا اپنا سرمایہ لگاتے ہیں، جو منافع ہوتا ہے آپس میں طے شدہ مناسب کے مطابق تقسیم کر لیتے ہیں۔

مسلمان یہ دونوں طریقے اپنا کر اپنا کاروبار اور منافع بڑھا سکتے ہیں۔ کوئی بھی کمپنی ہو، خواہ مسلمانوں کی یا غیر مسلموں کی یا کسی کی بھی، اگر اس نے منافع فکس کیا، مثلاً: ایک لاکھ پر 5000 تو یہ جائز نہیں ہے اور اگر منافع میں سے طے شدہ تناسب کے مطابق جتنا مقرر کرتی ہے تو یہ جائز ہے۔

گویا فکس کرنے کے دو طریقے ہوئے:

۱۔ ایک لاکھ لے کر 5000 دے دینا۔ یہ صورت جائز نہیں ہے اور سود ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک لاکھ لے کر 5 فیصد یا 10 فیصد دے تو یہ جائز ہے۔

کیونکہ دوسری صورت میں رقم فکس نہیں ہے، اس لیے یہ صورت جائز ہے۔ ہوسکتا ہے ایک ماہ آپ کا منافع 5 فیصد کی صورت میں ایک ہزار روپے ہو اور دوسرے ماہ 5 فیصد کی صورت میں منافع 8 ہزار روپے ہو۔ ایسی صورت میں انسان نفع و نقصان دونوں میں شریک ہوتا ہے۔ جبکہ پہلی صورت میں ایسا نہیں ہے۔ اس نے ہر صورت میں 5000 جو فکس کیے ہیں، ادا کرنے ہیں اور یہ سود ہے جو حرام ہے۔

ایسی کمپنیوں میں کام کرنے والے ملازمین کے لیے شرعاً کوئی حرج نہیں، ان کے لیے جائز ہے، کیونکہ وہ فقط محنت مزدوری کرتے ہیں، سود کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہذا محنت مزدوری کرنے والوں کے لیے ایسی کمپنیوں میں کام کرنا جائز ہے۔ البتہ سود لینے والا، دینے والا، گواہ اور کاتب (اس کو لکھنے والا) ان لوگوں کو حدیث میں سود خور کہا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ متبادل کام تلاش کرتے رہیں، جونہی انہیں کسی دوسری جگہ کام ملے سود والی کمپنی سے فوراً کام کرنا چھوڑ دیں۔

حالتِ اضطراری میں حرام چیز بھی حلال ہو جاتی ہے، اگر سود کے علاوہ کوئی چارہ نہیں اور دوسرا کوئی راستہ نہیں تو پھر جائز ہے۔ جیسے جان بچانے کے لیے مردار کا کھا لینا وغیرہ

قرآن میں آیا ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلاَ عَادٍ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ. (البقرہ،۲:۱۷۳)

''پھر جو شخص سخت مجبور ہو جائے نہ تو نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (زندگی بچانے کی حد تک کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں، بیشک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے''۔

شرط یہ رکھی گئی ہے کہ وہ واقعی مجبور ہے، ورنہ نہیں۔

غیر مسلموں کے ساتھ کام کرنا یا تجارت کرنا اصلاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط سود اور حرام کاموں میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ ایسے کفار سے جو مسلمانوں کے دشمن ہوں، جنہیں حربی کہا جاتا ہے، ان کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات جائز نہیں، جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہوں اور ہر وقت مسلمانوں کو ایذا اور تکلیف دیں۔

❁❁❁❁❁

خوفِ خدا، علمِ نافع کا حصول، وقت کی قدر، اخلاص اور کردار سازی

# خدمتِ دین کے تقاضے اور ہمارا کردار

عہدیداران اور کارکنان کی اخلاقی و روحانی تربیت کے تناظر میں خصوصی تحریر

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری

خدمتِ دین کے مشن پر کاربند مصطفوی کارکنان و عہدیداران کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو اخلاقی اور روحانی اعتبار سے اس مقام پر رکھیں کہ وہ واقعتاً اس مشن کے پیغام کے عملی پیکر نظر آئیں۔ اس ضمن میں انہیں درج ذیل اوصاف اور خصوصیات اپنے کردار میں پیدا کرنا ہوں گی، اس لیے کہ اِن خصائل کی عدم موجودگی میں اُن کے قول اور فعل میں تضاد نظر آنے کی وجہ سے مصطفوی مشن کے پیغام کی تاثیر پر بھی فرق پڑے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تجدیدِ دین اور احیائے اسلام کے مشن سے وابستہ ہر عہدے دار اور کارکن اِن اوصاف سے مزین ہو۔

## ۱۔ خوفِ خدا اور باطنی کیفیات کا حصول

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب قرآنِ مجید کی آیات میں جنت و دوزخ کے احوال سنتے تھے تو ان پر کپکپی طاری ہو جاتی، چیخیں نکل جاتیں اور غشی کے احوال طاری ہو جاتے۔ آج ہم اِن کیفیات و اَحوال سے محروم ہیں۔ ہماری موجودہ حالت کی سب سے بڑی وجہ ہماری سنگ دلی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قساوتِ قلبی بڑھتی جاتی ہے اور ہمارے دل سخت سے سخت تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ایک روحانی فطری عمل ہے کہ جو کیفیات ابتدا میں ہوتی ہیں وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ چند وجوہات کی بنا پر برقرار نہیں رہتیں۔ یہ فرق قرونِ اولیٰ میں بھی ہوتا تھا مگر اس کے اسباب اور تھے۔ آج کے دور میں اس کی وجوہات کچھ اور ہیں۔

یہ تغیرِ احوال اور تغیرِ کیفیات پہلے ادوار میں بھی ہوتا تھا، لیکن ان لوگوں کا صدق و اخلاص چونکہ بہت زیادہ کامل ہوتا تھا اور ان کے اندر خیر، تقویٰ اور پرہیزگاری کے پہلو اتنے مضبوط، طاقتور اور غالب ہوتے تھے کہ ان میں کیفیات کا تغیر اور طرح کا ہوا کرتا تھا۔ جب کہ ہمارے اندر کیفیات کا یہ تغیر و تبدل ہوتا ہے تو یہ اس نوعیت کا نہیں ہوتا۔ ہم پر دنیوی ماحول کے ہوش ربا اثرات اور قساوتِ قلبی آجاتی ہے۔ ہم میں سے کئی لوگ اس بات کے گواہ ہوں گے کہ ابتدا میں جب ابھی تنظیمات اور مراکز نہیں بنے تھے، تو دعوت کا پیغام گھر گھر پہنچاتے ہوئے وہ ایک روحانی لذت اور کیف سے معمور رہتے تھے۔ لیکن انسان جب مختلف انتظامی اور تنظیمی معاملات میں مصروف ہو جاتا ہے تو اس کے مسائل اس کی روحانی لذت و حلاوت چھین لیتے ہیں کیونکہ صدق، اخلاص، محبت، وفاداری، شیطان، دنیاداری وغیرہ سب ساتھ ساتھ چل رہے ہوتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اپنی ان روحانی کیفیات کو بحال کرنے اور پھر انہیں قائم رکھنے کی کوشش کریں۔

## ۲۔ وقت کی قدر و قیمت کا احساس

مثل مشہور ہے کہ گزرا وقت اور کمان سے نکلا تیر کبھی واپس نہیں آتا۔ انسانی زندگی کی مثال بھی ہوا کے اُس جھونکے کی سی ہے، جو ایک بار اپنا اثر دکھا کر واپس کبھی نہیں پلٹتا۔ اگرچہ دوستوں میں اختلافات کے سبب دوستی چلی جائے یا پھر

کسی بھی وجہ سے دوست بچھڑ جائیں تو زمانے کے کسی نہ کسی موڑ پر دوبارہ ملنے کا امکان باقی رہتا ہے۔ اسی طرح انسان کی زندگی سے آسائش و آرام چلا جائے تو واپس آ سکتا ہے؛ صحت چلی جائے تو صحت مند ہونے کی امید قائم رہتی ہے اور انسان دوبارہ اسی طرح صحت مند ہو جاتا ہے جیسے وہ کبھی بیمار ہوا ہی نہیں تھا، لیکن زندگی کا کوئی بھی لمحہ پلٹ کر واپس نہیں آتا۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ زندگی کے ہر لمحے کی قدر کرے۔ انسان اپنی زندگی کے بارے میں بڑے بڑے خواب دیکھتا ہے اور عملی زندگی میں ان کی تعبیر کا منتظر بھی رہتا ہے۔ اس کے خوابوں کی یہ تعبیر بڑی جد و جہد کا تقاضا کرتی ہے۔

جس شخص نے زندگی کے ان بیش قدر لمحات سے پوری طرح فائدہ نہ اٹھایا، تو اس کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ اس کی جوانی کا سنہرا دور ناکامیوں کا سبق دے کر ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جائے گا۔ زندگی بھر کے پچھتاوے اس کا مقدر بن جائیں گے۔ جب تک حالات کی ریت آپ کے ہاتھ میں ہے اسے مضبوطی سے پکڑ لیں، اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اور اپنے آپ کو جتنا بدل سکتے ہیں بدل لیں۔ جوانی کا یہ انقلابی دور علم کے متلاشیوں کے لیے خاص طور پر دہری اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ نظیر اکبر آبادی نے وقت کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے کہا تھا:

غافل! تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردُوں نے گھڑی عمر کی اِک اور گھٹا دی

علم کے حصول کا یہ بے مثال دور موسموں اور مہینوں میں معمولات کے رد و بدل کے ساتھ ماضی بنتا چلا جاتا ہے۔ لیل و نہار کا یہ رد و بدل ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم غور کریں کہ ہمارے دن اور رات کی مصروفیات کیا ہیں؟

یاد رکھیے! جیسے جیسے عمر بڑھتی جائے گی، ویسے ویسے مسائل بھی بڑھتے چلے جائیں گے۔ بیوی بچوں کی ضروریات، روزگار اور دیگر مسائل میں ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا۔ اس لیے یہ سنہری وقت جو اب میسر ہے، پلٹ کر کبھی نہیں آئے گا۔ اب آپ چاہیں تو سولہ گھنٹے جاگ لیں، چاہیں تو اٹھارہ گھنٹے بیدار رہیں۔ اس عمر میں جس قدر چاہیں عشقِ الٰہی اور عشقِ رسول ﷺ کی لَو لگا کر من کی دنیا روشن کر لیں۔ اللہ کی یاد میں نمازِ تہجد سے لے کر نمازِ فجر تک رو رو کر اپنے نامہ اعمال کی سیاہی کو نیک اعمال میں تبدیل کر لیں۔

اس لیے اس مصطفوی مشن کے علمبردار اور پیغامبر پر لازم ہے کہ وہ وقت کی قدر کرے اور وقت کو بھرپور طریقے سے استعمال میں لاتے ہوئے اس کے ایک ایک لمحہ سے نیکیوں کے فروغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تناظر میں بھرپور فائدہ اُٹھائے۔ اپنی زندگی سے کاہلی، سستی اور بے کاری کو اکھاڑ پھینکے۔ اسی صورت میں وہ خدمتِ دین کے تقاضوں کو پورا کرنے والا بن سکے گا۔

## ۳۔ علمِ نافع کا حصول

مصطفوی کارکنان پر لازم ہے کہ وہ علمِ نافع کے حصول میں ہمیشہ سرگرداں رہا کریں۔ علمِ نافع اللہ کی ایک نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں ہر ایک کو ایسے نہیں دے دیتا بلکہ ان نعمتوں کے لیے بندے کا ظرف بھی دیکھتا ہے۔ ربِ دو جہاں اپنے بندے میں صدق و اخلاص دیکھتا ہے، اس کی محنت، کوشش اور جہدِ مسلسل دیکھتا ہے، تب کہیں جا کر وہ اپنے بندے کو ابدی نعمتیں عطا کرتا ہے۔ ہم خوش ہوتے ہیں کہ فلاں پر اللہ کا بڑا کرم ہے کہ وہ اتنا مال دار، جاگیردار اور صاحبِ استطاعت ہے۔ حالاں کہ دنیاوی شان و شوکت ہرگز اس کی رضا کا معیار نہیں ہے۔ یہ سب کچھ تو اللہ کا عدل ہے۔ وہ دنیاوی ثروت تو کافروں کو بھی دیتا ہے جو کہ اس کی ذات کے ہی منکر ہیں، لیکن خالقِ ارض و سما انہیں ہرگز اپنی محبت اور قربت نہیں دیتا۔ انہیں دنیا کی ہر دولت تو دے دیتا ہے مگر اپنی فقیری، اپنی محبت اور اپنی معرفت نہیں عطا کرتا۔ مالکِ کون و مکاں حقیقت کی دولت اس وقت تک نہیں سونپتا جب تک کہ وہ آزمانہ لے کہ یہ دل اس کی طلب میں صدق و اخلاص سے معمور ہے یا نہیں۔

درحقیقت اپنے دل کو عشقِ حقیقی سے سرشار کرنے کا بہترین زمانہ جوانی کا زمانہ ہے۔ حضور سیدنا غوث الاعظمؒ نے فرمایا:

دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْبًا
وَنِلْتُ السَّعْدَ مِنْ مَوْلَی الْمَوَالِی

''میں علم حاصل کرتا رہا یہاں تک کہ علم حاصل کرتے کرتے قطب ہو گیا اور میں نے اپنے مولیٰ سے (دنیوی و

اخروی)سعادت کو پالیا''۔

ثابت یہ ہوا کہ علم کا سفر بندے کو قطب اور غوث بنا دیتا ہے، لیکن اگر انسان طالبِ علمی کے دوران اس کا بندہ ہی نہ بن سکے اور اچھے اخلاق کا حامل نہ ہو سکے، دنیا داری، سستی، کاہلی ہی نہ ختم کر سکے تو گویا اس نے سب کچھ برباد کر دیا۔ یاد رہے! ست اور کاہل لوگوں کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہمیں ہر وقت پوری طرح تیار رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (النجم:۳۹) فرما کر کامیابی کو محنت اور مشقت سے مشروط کر دیا ہے۔ چنانچہ ہم حق کی تلاش میں جس قدر اپنی توانائیاں صرف کریں گے، اتنا ہی میٹھا پھل ہمیں نصیب ہوگا۔ علم دو قسم کا ہوتا ہے:

۱۔ وہ علم جو نور پیدا کرتا ہے۔

۲۔ وہ علم جو تاریکی پیدا کرتا ہے۔

اگر علم خالصتاً اللہ کے لیے ہو، اس نیت سے حاصل کیا جائے کہ مجھے اس علم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہوگی، تو یہ بندے کے لیے سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب، اللہ کی محبت کے بغیر نصیب نہیں ہوتا۔ یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ جب کسی کو کسی سے محبت نہیں ہوتی تو اسے اس کا قرب بھی نہیں ملتا اور اگر محبت کے بغیر اس کو قرب مل بھی جائے، تو وہ قرب بے فیض اور لاحاصل ہوتا ہے۔ جس طرح ابوجہل اور ابولہب جیسے لوگ اور دیگر کفار و مشرکین کا بظاہر حضور ﷺ کے قرب میں رہنا انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا۔

علم کے متلاشیوں کیلیے یہ نقطہ قابلِ غور ہے کہ ترجیح ہمیشہ دین کے علم اور اللہ کی معرفت کو دیں۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ روایت کرتے ہیں:

**يُجَاءُ بِعَمَلِ الرَّجُلِ فَيُوْضَعُ فِي كِفَّةِ مِيْزَانِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَتَخِفُّ، فَيُجَاءُ بِشَيْءٍ أَمْثَالَ الْغَمَامِ، أَوْ قَالَ مِثْلَ السَّحَابِ، فَيُوْضَعُ فِي كِفَّةِ مِيْزَانِهِ فَيُرَجَّحُ فَيُقَالُ لَهُ؛ أَتَدْرِيْ مَا هَذَا؟ فَيَقُوْلُ: لَا، فَيُقَالُ لَهُ: هَذَا فَضْلُ الْعِلْمِ الَّذِيْ كُنْتَ تُعَلِّمُهُ النَّاسَ.**

(جامع بیان العلم وفضلہ، ابن عبدالبر، ۱: ۴۶)

''قیامت کے دن کسی آدمی کو (اُس کے) عمل کے ساتھ لایا جائیگا اور (اُس کے عمل کو) ترازو کے پلڑے میں رکھا جائے گا تو اُس کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا۔ پھر کوئی چیز بادلوں کی مانند لائی جائے گی اور ترازو کے پلڑے میں رکھی جائے گی (تو اُس کا پلڑا) بھاری ہوجائے گا، پھر اُس سے کہا جائے گا: کیا تو جانتا ہے کہ یہ (سب) کیا تھا؟ تو وہ جوابًا کہے گا، (میں) نہیں جانتا۔ تو اُسے کہا جائے گا: یہ وہ علم کی فضیلت ہے جس کو تو لوگوں کو سکھایا کرتا تھا''۔

جس علم سے قیامت کے دن فیصلے بدل جائیں گے اور اللہ کے قرب اور رضا کے راستے کھل جائیں گے، افسوس! ہم اس کی بالکل قدر نہیں کرتے۔

حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

**مَنْ جَاءَهُ أَجَلُهُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ لَقِيَ اللهَ وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ إِلَّا دَرَجَةُ النُّبُوَّةِ.**

(المعجم الاوسط،طبرانی، ۹:۱۷۳، رقم: ۹۴۵۴)

''جس کو طلبِ علم میں موت آئی تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف درجہ نبوت کا فرق ہوگا''۔

علم کی طلب میں کوشاں رہنے والے کے لیے ضروری ہے کہ ایک تو اس کا ذہن مکمل طور پر یک سو ہو۔ دوسرا یہ کہ جو علم وہ حاصل کر رہا ہے، اس میں نور ہو، اندھیرا اور تاریکی نہ ہو۔ یہ امر ذہن میں رہے کہ علم میں نور صرف اس شرط پہ آتا ہے کہ اس کے ساتھ عملِ صالح، زہد اور تقویٰ ہو۔ اگر یہ سب کچھ شامل نہ ہو تو اس علم کی مثال ایسے ہے جیسے کتابوں کا ایک انبار گدھے کی پشت پر لاد دیا جائے۔ علم کی یہ کتابیں محض ایک بوجھ ہوتی ہیں، اس سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

## ۴۔ تصوف اور تشکیل کردار

صحابہ کرام ﷺ، تابعین اور قرونِ اُولیٰ کے سلف صالحین کے دور میں نفس، شیطان اور دنیا اس قدر طاقت ور نہ تھے۔ ان کے صدق و اخلاص اور استقامت کی وجہ سے وہ قساوتِ قلبی نہیں ہوتی تھی، جس کا آج ہم سب شکار ہیں۔ یہیں سے

بگاڑ کا آغاز ہوتا ہے۔ اب روحانیت کی بجائے دفتریت کا غلبہ ہے۔ افسوس! اب آہِ سحر گاہی نہیں رہی۔ ان حالات میں دلوں کی سختی کو نرمی میں کیسے بدلا جائے؟ افسوس کہ ہم تقویٰ کی کیفیت نہیں رکھتے، جس کے سبب ہم اخلاقِ حسنہ کی نعمت سے محروم ہیں۔ آج پھر سے اِن اوصاف کو دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے الفاظ میں آج احیائے تصوف وقت کی آواز ہے۔ اس لیے کہ اس تصوف ہی سے آج ہماری سیرت وکردار کی حقیقی معنوں میں تشکیل ممکن ہوگی۔تصوف کا مقصد صدق اور اخلاص پیدا کرنا ہے۔ آقا ﷺ کے صحابہ صدق و اخلاص، صفائے قلب اور حسنِ نیت کے منتہائے کمال پر تھے، انہیں صوفی کہیں یا نہ کہیں، وہ اصلاً سب صوفیاء تھے۔ اخلاص، زہد و ورع، تقویٰ اور حسنِ اخلاق کی وہ تمام خوبیاں جن سے تصوف عبارت ہے، ان میں وہ بدرجہ اتم موجود تھیں۔ آج ہمیں اِن تمام اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرنا ہوگا۔ بالفاظ دیگر ہمیں تصوف کے اِن عناصر کے ذریعے قساوت کو نرمی اور مردہ دلی کو زندہ دلی میں تبدیل کرنا ہوگا۔

اِن اوصاف اور تصوف کے عملی اظہار سے دور ہونے کی وجہ ماحول کے اثرات کا ہمارے مزاج اور رویے میں داخل ہونا ہے۔ مختلف نفسیاتی، معاشرتی اور سیاسی ماحول و طریقہ کار اور مختلف احوالِ حیات سے فطری طور پر تبدیلیاں آتی ہیں۔ مثلاً: جو تواضع اور انکساری ایک طالب علم کے طور پر انسان کے اندر ہوتی ہے، جب وہ معلم یا مفتی بن جاتا ہے، تو اس کے اندر وہ تواضع اور انکساری نہیں رہتی، اس میں فرق آتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح چوبیس گھنٹے کے انتظامی معاملات اور ان میں شرکت، پھر کاموں کی نوعیت اور صبح و شام کی dealing رویوں پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ درپردہ یہ سب وہ اثرات ہیں جن کی وجہ سے عبادات میں کمی آتی چلی جاتی ہے اور پہلے جیسا حسنِ معاملہ نہیں رہتا۔ دفتری میکانکی طریقہ کار کے باعث سوچوں اور طرزِ عمل میں روحانیت کی بجائے بیوروکریسی آجاتی ہے۔ جب یہ معاملہ آجاتا ہے، تو مشن کے کام میں لگن اور دردمندی کا فقدان دکھائی دیتا ہے۔ دفتریت کے غلبے کی وجہ سے آپس میں حسنِ معاملہ اس درجے کا نہیں رہتا جس کا مشن تقاضا کرتا ہے۔ طبیعتوں میں نرمی اور لطافت نہیں رہتی۔ جب دنیا کے ساتھ بہت زیادہ تعلق بڑھ جاتا ہے تو باہمی محبت اور الفت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور دوسروں کے درد کا احساس باقی نہیں رہتا۔

آج ایثار کا جذبہ مفقود ہوجانے کی وجہ سے دوسروں کو خود پر ترجیح دینے کا رواج نہیں رہا۔ تنظیمات و افراد اور رفقاء کے ساتھ dealing میں خدمت کا جذبہ مفقود نظر آتا ہے، حالانکہ خدمت گزاری تو عاجزی و انکساری، محبت، ایثار، نرمی، حسنِ اخلاق اور حسنِ معاملہ کا تقاضا کرتی ہے۔ وہ تمام اقدار اور اوصاف جو ہمارے اَسلاف کی میراث اور اسلام کی تعلیمات ہیں اِن تمام کو ہمیں اختیار کرکے اپنی طبیعت، فطرت اور مزاج و عادت کا حصہ بنانا ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں تصوف کو حال میں بدلتے ہوئے سیرت و کردار کی ایسی تشکیل کرنا ہوگی، جو مصطفوی کارکنان کا طرہ امتیاز ہوا کرتی ہے۔

## ۵۔ وساوس اور شیطانی حملوں سے دفاع

انسان کے اندر خیالات تین سمتوں سے داخل ہوتے ہیں:

۱۔شیطان ۲۔دنیا ۳۔نفس

یہ بڑی اہم اور قابلِ غور بات ہے کہ شروع میں وہ فاسد خیالات برے بن کر ہمارے ذہنوں میں داخل نہیں ہوتے کیوں کہ اگر وہ خیالات اپنی entrance میں ہی برے دکھائی دیں تو کیا ہم انہیں داخل ہونے دیں گے؟ ہرگز نہیں !چور دن دیہاڑے گھروں میں داخل نہیں ہوتے کہ نگرانی کرنے والے انہیں دیکھ نہ لیں۔ وہ نقب لگاتے ہیں اور چوری ایسی جگہ کرتے ہیں جو نگرانی سے خالی ہو۔ یہی طریقہ شیطان، دنیا اور نفس کے حملے کا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ جہاں نگرانی نہیں ہو رہی یعنی بندہ جب اپنے دل و دماغ کی نگرانی نہیں کر رہا ہوتا تو وہ نقب لگا کر داخل ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ شیطان حملہ آور ہوتے وقت کسی خیال کو اچھا بنا کر دل و دماغ میں داخل کرتا ہے، تاکہ نگرانی کرنے والا بھی دھوکہ کھا جائے اور جو نگرانی نہیں کر رہا اس کی تو بات ہی کیا کرنی۔ شیطان یا نفس برا بن کر کبھی خیال میں داخل نہیں ہوتا بلکہ وہ تو انسان کی ضرورت بن کر داخل ہوتا ہے۔ وہ انسان کو کہتا ہے کہ دیکھو! مہنگائی کا زمانہ ہے؛ حالات کی یہ مجبوری ہے؛ کیا ساری زندگی ایسے ہی مرتا رہے گا؟ تم بھی زندگی میں آسودگی کے لیے کچھ کرو۔ اس طرح شیطان انسان کے خیر خواہ کا روپ

دھار کر من میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کا ذکر خود اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں یوں کیا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ. (آل عمران: ۱۴)

''لوگوں کے لیے ان خواہشات کی محبت (خوب) آراستہ کر دی گئی ہے (جن میں) عورتیں اور اولاد اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان کیے ہوئے خوبصورت گھوڑے اور مویشی اور کھیتی (شامل ہیں)''۔

یہ تمام چیزیں اور شہوتیں محض پسندیدہ اور جائز بن کر ہی نہیں بلکہ ضرورت اور مجبوری بن کر انسان کو جھانسا دیتی ہیں اور دلکش بہروپ اور نہایت خوبصورت انداز سے انسانی طبیعت میں داخل ہوجاتی ہیں۔ پھر جب انسان اپنی کسی ایسی خواہش کا تجزیہ کرتا ہے، تو اسے وہ اپنے حالات کے مطابق بالکل درست تصور کرتا ہے۔ وسائل کی کمی، بڑھتی ہوئی مہنگائی کے باعث گھر میں پریشانی کا بڑھنا، یہ ضروریات انسان کو کبھی بغاوت پر اکساتی ہیں اور کبھی بد دلی و دین سے بے رغبتی پیدا کرتی ہیں۔ یہ ماحول اسے خیانت اور کرپشن پر بھی اکساتا ہے اور یوں اسے دوزخ کی طرف لے جاتا ہے۔ انسان کو وہ دوزخ اس وقت بہشتِ بریں کی مانند دکھائی دیتی ہے حالاں کہ درحقیقت وہ جنت الحمقا ہوتی ہے۔ اگر وہ اِس وقت اُسے دوزخ بن کر نظر آجائے تو پھر شیطان کو کیا فائدہ ہوا؟ وہ تو خیال کو ایسے روپ میں داخل کرتا ہے کہ انسان اسے ضروری اور موزوں خیال کرنے لگتا ہے۔ زندگی کا پورا ماحول اسے ایک لائن میں نظر آنے لگتا ہے۔ پھر جب ایک خیال داخل ہوتا ہے تو وہ اکیلا داخل نہیں ہوتا بلکہ خیال در خیال داخل ہوتا ہے۔ جیسے چیونٹیاں چلتی ہیں، اسی طرح شیطان اپنی پوری فوج کو لائن اپ کر کے داخل کر دیتا ہے اور وہ چیز مزین ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ انسان اس کو accommodate کرتا چلا جاتا ہے کہ یہی تو میری اصل ضرورت ہے، جس کے لیے رات دن پریشان رہتا ہوں اور یہی اس کا واحد حل ہے۔ اس طرح داخل ہونے والے یہ خیالات انسان کے ایمان کو برباد اور آخرت کو تباہ کر دیتے ہیں۔

یاد رکھیں! اگر خیال کا صرف ایک جرثومہ اندر داخل ہوتا اور پھر دروازہ بند ہو جاتا تو ہمارے اندر کی نیکیاں اس کو ختم کر دیتیں لیکن ایسا ہوتا نہیں ہے۔ ایک شہوت یا ایک خیال نہیں داخل ہوتا بلکہ قرآن مجید نے مذکورہ آیتِ کریمہ میں اس کے لیے "الشھـــوات" جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے: یعنی ان کی پوری فیملی داخل ہو جاتی ہے۔ پورا لشکر قطار در قطار آتا چلا جاتا ہے۔ جب شہوت اور خیالات کا یہ لشکر داخل ہوتا ہے تو انسان کے اندر کی نیکیاں، تقویٰ، روحانیت اس قدر طاقت ور نہیں ہوتیں کہ وہ ان کا دفاع کر سکیں۔ چنانچہ ہماری دفاعی فورسز شکست کھا جاتی ہیں۔ ایک عام مسلمان نماز، روزہ اور دیگر عبادات و معمولات بجا لا کر اپنے طور پر تو حقِ مسلمانی ادا کر رہا ہوتا ہے مگر اسے جو اندرونی روحانی دفاعی قوت درکار ہوتی ہے، وہ میسر نہیں آتی۔ نتیجتاً انسان کی اندرونی دفاعی فورسز باطل طاقتوں کے بالمقابل شکست کھا جاتی ہیں۔ یوں باطل کا غلبہ ہو جاتا ہے اور جب اس کا غلبہ ہو جائے تو پھر چھٹکارا حاصل کرنا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ گویا انسان باطل کے آگے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔

یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے دشمن کی فوجیں شہر کے اندر داخل ہو کر قابض ہو جاتی ہیں یعنی جب بارڈر ہی ٹوٹ گیا اور فوجیں شہر میں داخل ہو گئیں تو عملاً ان کا غلبہ ہوگیا اور انہوں نے قبضہ کر لیا۔ اس طرح جب شہوانی خواہشات انسان کے من میں گھس جائیں تو پھر انسان کشمکش اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجاتا ہے۔ وہ اپنے اندر ہی اندر نیکی اور بدی کی جنگ لڑتا رہتا ہے اور بالآخر شکست و ریخت کا شکار ہو جاتا ہے۔ بہترین دفاع تو یہ تھا کہ انہیں سرحدوں پر ہی روک لیا جاتا اور شہوات کی طاغوتی فوجوں کو من کے شہر میں داخل ہی نہ ہونے دیا جاتا لیکن جب وہ شہر میں داخل ہو گئیں تو گویا ہم surrender ہو گئے۔

مصطفوی کارکنان اور خدمتِ دین کے مشن پر کاربند افراد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت اپنے خیالات کی تطہیر کا اہتمام کرتے رہا کریں۔ اسی صورت میں وساوس، شکوک وشبہات اور باطل خیالات کو باطن پر اثر انداز ہونے سے روکا جاسکتا ہے۔

## ۶۔ تعلق باللہ اور اخلاص

خیالات کا پے در پے آنا اور ان کے دھارے کی زد میں آکر دائیں بائیں بھٹکتے پھرنا اس بات کی گواہی ہے کہ ہم نے اللہ کی محبت کو اپنا منزلِ مقصود نہیں بنایا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم

اللہ اور اُس کے رسول مکرم ﷺ سے لَو لگا لیں اور اس کے مقابل ہر چیز کو ہیچ سمجھیں، پھر ہی حال نصیب ہوگا۔ اس پر مسلسل محنت کی ضرورت ہے۔ سب علوم پڑھیں مگر قال اللہ وقال الرسول ﷺ کو ہمیشہ سب پر مقدم رکھیں۔ بول چال، کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے میں محبوبِ مکرم ﷺ کی سیرت میں ڈھل جائیں، تاکہ جب چلیں تو دنیا والے دیکھ کر کہیں کہ یہ زمانے والوں سے مختلف لوگ ہیں۔ من کی دنیا بدلے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

نوجوانوں کی اکثریت شیطان کی تابع ہو چکی ہے۔ یہ دنیا شیطانی، نفسانی اور شہوانی ہے۔ اگر اس دنیا میں رحمانی اور ربانی بن کر رہیں گے تو اگلی صدیوں کے اولیاء کاملین جیسے اجر کے مستحق ٹھہریں گے۔ اس لیے اس دنیا کی ناپاک چیزوں سے ہٹ کر عبادت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں۔ اخلاق، زہداور علم کی اعلیٰ کتب کا مطالعہ کرنا گویا اللہ اور رسول ﷺ کی صحبت اختیار کرنا ہے۔ نوجوانوں کی زندگیوں میں یہ کردار نمایاں نظر آنا چاہیے۔

یاد رہے! جو کوئی اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے ایسے کام کرتا ہے کہ جس سے اللہ اوراس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہو تو حقیقتاً یہی بے وفائی ہے۔ اپنے علم میں ہمیشہ اللہ کی وفا کو شامل رکھیں۔ یہی حصولِ علم کا حقیقی طریقہ ہے۔ جب بندے کا قلب اللہ سے جڑ جاتا ہے تو وہ ہمیشہ اللہ کے ساتھ رہتا ہے۔ اگرچہ بظاہر بشری تقاضوں کے باعث جسم دنیوی معاملات میں مصروف رہتا ہے لیکن قلب و روح اللہ کے ساتھ متعلق ہوجاتے ہیں۔ اگر یہ تعلق مستقل طور پر اللہ کے ساتھ جڑ جائے تو کوئی بھی شخص اپنے حال کو ساری کائنات کے عوض بھی بیچنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

حضرت ذو النون مصری تعلق باللہ کی ایک بہترین مثال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ایک روز میں حج کے موقع پر طواف کر رہا تھا کہ ایک جوان کو دیکھا جس کے کپڑے پھٹے پرانے تھے اور چہرے پر فاقے کے آثار تھے۔ مجھے ترس آیا تو جیب میں جو کچھ تھا، وہ میں نے اس کے ہاتھ میں تھمانے کی کوشش کی۔ اس جوان نے میرا بازو پکڑا اور کہنے لگا: یہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا: آپ کا حال دیکھا تھا، آپ حاجت مند لگتے ہیں؛ میں نے چاہا کہ آپ کی مدد کر دوں۔ اس نے کہا: ذو النون! اللہ نے جو حال مجھے دیا ہے اگر کوئی پوری جنت اور اس کی ساری نعمتوں کے عوض بھی میرا یہ حال خریدنا چاہے تو اس محبوب کی عزت کی قسم! میں یہ حال نہیں بیچوں گا؛ اورتم چند درہموں کے عوض میرا حال خریدنا چاہتے ہو؟

اس واقعہ سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ ہمیں چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے تعلق جوڑ لیں اور باقی خواہشات، شہوات، تمنائیں، آرزوئیں، غرض دنیا کی ہر شے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے دور لے جانے والی ہے، اسے حقارت سے ٹھوکر مار دیں۔

## ۷۔ فرض عبادات کی پابندی

یہ امر ہمیشہ پیش نظر رہے کہ عبادات، اچھے اخلاق اور زہد و اخلاص کے بغیر علم ایک کالے سانپ کی مانند ہے۔ اولیاء اللہ کہا کرتے ہیں: علم کو اگر نور، نافع اور فائدہ مند بنانا ہو تو اس کا فارمولا یہ ہے کہ علم بقدر نمک اور ادب وعبادت آٹے کے موافق ہو۔

یاد رکھیں! علم کی روشنی میں تربیت کے لیے جو محنت کی جاتی ہے اس سے ادب آتا ہے۔ نماز پنج گانہ کی ادائیگی بندگی کی بنیادی پہچان ہے۔ جب نماز کا وقت ہو تو مسجد بھری ہوئی نظر آئے۔ اس سے باری تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ اذان کے ساتھ ہی مسجد میں صف در صف نیاز مندی سے کھڑے ہونا اذان کا ادب ہے۔

حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃ (آؤ نماز کی طرف) اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاح (آؤ فلاح کی طرف) سے بہتر بلاوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ بلاشبہ نماز مؤمنوں کی اللہ سے ملاقات ہے۔ کتنے شرم کی بات ہے اور ہم کیسے بندے ہیں کہ نماز کے بلاوے پر بھی بے دھیان بیٹھے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر انہیں مجھ سے ملاقات کا شوق نہیں ہے تو مجھے بھی ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ وہ اس لیے کہ بھاگے ہوئے نافرمان غلام کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ ایسے شخص کا علم بھلا کس کام کا اور اس علم سے کون سا فیض اور کون سی برکت حاصل ہوگی، جو اپنے رب کے بلاوے پر بھی اس کے در پر حاضر نہیں ہوتا۔ وہ اپنے معبود سے ملاقات کے لیے رات کے اندھیرے میں تہجد کے لیے کس طرح اٹھ سکتا ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ بیداری کا وقت یہی ہے۔ اگر وقت گزر گیا تو پھر پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اقبالؔ کہتے ہیں:

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اَسرارِ شہنشاہی
عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

تجدیدِ دین اور احیائے اسلام کے مصطفوی مشن پر گامزن کارکن کے لیے ضروری ہے کہ وہ عبادات سے اپنے ظاہر و باطن کو ہمیشہ منور و مزین رکھے۔ اسی ضمن میں ہم اکثر سستی اور کاہلی کا شکار ہوتے ہیں اور فرض نماز کی ادائیگی کے وقت کو بھی اپنے دنیوی یا تنظیمی امور کی نذر کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ہر مصطفوی کارکن فرض عبادت میں کسی بھی صورت کوتاہی اور غفلت کا مرتکب نہ ہو۔

اس بات کو بھی ہمیشہ یاد رکھیں کہ بے آہِ سحر گاہی کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ نماز کے علاوہ فرض کے ساتھ ساتھ نفلی روزوں کا بھی معمول بنائیں۔ ان ایام کو کبھی مت چھوڑیں۔

اسی طرح ہمیں مصلّے پر آنسو گرانے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ جب جوانی میں ہمارے آنسو گریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی بارش کرے گا۔ اس سے دین و ایمان پر استقامت نصیب ہوگی اور دیارِ عشق تک رسائی نصیب ہوگی۔

## ۸۔ محبت و اطاعتِ رسول ﷺ کا عملی اظہار

ایمان کیا ہے؟ ایمان قلبی تصدیق کا نام ہے۔ یعنی دل سے کسی کو مان کر اس کی طرف راغب ہو جانا، بلکہ اسی کا ہو جانا ایمان ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ قریشِ مکہ کے قلوب آقا ﷺ کے قریب نہیں تھے۔ اگرچہ انہیں جسمانی، جغرافیائی اور مکانی اعتبار سے مکمل قرب حاصل تھا۔ تاہم اس مادی قرب نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا۔ تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھیے کہ اُدھر حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہیں کہ جو کبھی آقا ﷺ سے ملے ہی نہیں، مگر باطنی طور پر قریب رہے اور آقا ﷺ سے ان کا قلب ہمیشہ جڑا رہا۔

بڑی حیرانگی کی بات ہے کہ یمن میں رہنے والا ایک شخص جو آقا ﷺ کا زمانہ پاکر بھی ملاقات نہ کرسکا یعنی جنہیں ظاہری قربت بھی نہیں ملی مگر ہزاروں میل کی دوری کے باوجود دلی طور پر آقا ﷺ سے اس قدر جڑے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ یمن میں میرا ایک دوست اویس رہتا ہے۔ پھر حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

إِنَّ خَيْرَ التَّابِعِيْنَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ أُوَيْسٌ، وَلَهُ وَالِدَةٌ، وَكَانَ بِهِ بَيَاضٌ، فَمُرُوْهُ فَلْيَسْتَغْفِرْ لَكُمْ.

(صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل اویس القرنی، ۴: ۱۹۶۸، رقم: ۲۵۴۲)

''تابعین میں سب سے افضل شخص ایک آدمی ہے جس کا نام اویس ہے، اس کی ایک والدہ ہے (جب تم اُس سے ملو تو) اس سے کہنا کہ وہ تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرے''۔

محبت کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ محبّ چاہتا ہے کہ جیسا میرا محبوب ہو، میں بھی ویسا ہی دکھائی دوں۔ محبوب جو کھاتا ہے میں بھی وہی کھاؤں؛ محبوب جیسا پہنتا ہے، میں بھی ویسا ہی پہنوں؛ محبوب جس طرح بولتا ہے، میں بھی اسی طرح بولوں؛ محبوب جن کو پسند کرتا ہے، میں بھی انہی کو پسند کروں؛ اور محبوب جنہیں ناپسند کرتا ہے، میں بھی ان کو ناپسند کروں۔ غرض کہ جو طریقے اسے اچھے لگتے ہیں، بس انہی طریقوں کو اختیار کروں اور محبوب کو جو طریقے اچھے نہیں لگتے، ان طریقوں سے نفرت کروں۔ گویا ساری زندگی اِن اشعار کی عملی صورت دکھائی دے:

جس طرف وہ نظر نہیں آتے
ہم وہ رستہ ہی چھوڑ دیتے ہیں
کعبہ بنتا ہے اس طرف ہی ریاضؔ
جس طرف رُخ وہ موڑ دیتے ہیں

درج بالا گفتگو سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جس چیز نے آپ کے دل میں محبوب کی طلب پیدا کی اور اس کے در تک لے جانے پر آمادہ کیا، اس کا نام محبت ہے۔ محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر جس راستے پر چل کر محبوب کے دروازے پر پہنچیں گے، اس کا نام اتباع ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر ہم کسی راستے پر چل رہے ہوتے ہیں تو راستے میں دائیں بائیں کئی گلیاں نظر آتی ہیں۔ اگر اس دوران میں ہم نے اصل راستہ چھوڑ کر دائیں بائیں گلیوں میں گھومنا شروع کر دیا تو پھر کبھی منزل تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ لہٰذا جب منزل کو پانا مقصود ہو تو اسی جانب سیدھے چلتے رہیں اور دائیں بائیں دیکھنا بھی گوارہ نہ کریں؛ چاہے وہ راستے کتنے ہی جاذبِ نظر کیوں نہ دکھائی دیں ۔ یہ چمکیلے اور بھڑکیلے راستے دراصل شیطانی پھندے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگر ہم اللہ اور اس کے آخری

رسول محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت اور قربت چاہتے ہیں، تو پھر اخلاص اور استقامت کے ساتھ سیدھے راستے پر قائم رہیں۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ذوالنون مصری نے کسی سفر کے دوران ایک جوان کو دیکھا، جسے بچے پتھر مار رہے تھے۔ انہوں نے بچوں سے پوچھا: اسے پتھر کیوں مارتے ہو؟ انہوں نے کہا: یہ دیوانہ ہے۔ یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا دیدار کرتا ہوں۔ آپ نے اس نوجوان سے پوچھا : تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کا دیدار کرتے ہو، کیا یہ بات درست ہے؟ اس نے عرض کیا: ذوالنون! کبھی عاشقوں کی نظروں سے محبوب بھی اوجھل ہوتا ہے؟ یعنی اس نوجوان نے مولیٰ سے اپنے کمال تعلق کی بات کی۔ اس پر انہوں نے پوچھا کہ مالک کے ساتھ تیرے تعلق کا حال کیا ہے؟ اس نے کہا: جس دن سے اس سے شناسائی ہوئی ہے، تب سے اس سے بے وفائی نہیں کی۔

ایک مقام پر امام ذوالنون مصری فرماتے ہیں:

اَلْمَحَبَّةُ: خَوْفُ تَرْكِ الْحُرْمَةِ، مَعَ إِقَامَةِ الْخِدْمَةِ.

(تہذیب الاسرار، ابوسعد النیشا پوری، ۵۶)

''خدمت پر قائم رہتے ہوئے ادب کے ترک ہوجانے کا کھٹکا لگا رہنا محبت کہلاتا ہے''۔

یہی حقیقی استقامت ہے۔ اس مردِ قلندر کا یہ زریں قول ہی استقامت کی آسان اور جامع تعریف ہے کہ جب کسی سے روحانی تعلق قائم ہو جائے تو پھر چاہے کسی بھی قسم کی آزمائش آجائے لیکن پایہ استقلال میں ذرہ برابر بھی لغزش نہیں آنی چاہیے۔

## ۹۔ مشن کی نمائندگی اور عمدہ اَخلاق

مصطفوی انقلاب کے مشن کی نمائندگی کرتے ہوئے ہمارے پیشِ نظر ہمیشہ آقا ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کا نقشہ ہونا چاہیے۔ نرمی، محبت، بشاشت، مسکراہٹ اور تواضع کے کلچر کو رواج دینا چاہیے۔ ہمیں یہ بالکل نہیں بھولنا چاہیے کہ رسول اکرم ﷺ کے اسی اَخلاقِ حسنہ کو زندہ کرنے کے لیے تو مصطفوی انقلاب کی اس تحریک کا آغاز کیا گیا ہے۔

اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ مانگنے اور پوچھنے سے پہلے ہی بھائیوں کا حق ادا کردیا جائے۔ دوسرا یہ کہ جب ہمارے پاس کسی کا کوئی کام آئے تو ضروری ہے کہ ہمارے چہرے پر بشاشت رہے۔ کسی تنظیم کا کارکن اگر اس تنظیم کے کسی بڑے عہدے دار سے بات کرنے سے اجتناب کرتا ہے اور آپس میں بات چیت کیے کئی کئی دن گزر جاتے ہیں، تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس سے ڈرتا ہے۔ اس کا ایک ہی سبب ہے کہ اس عہدے دار کے ہاں روحانیت کی بجائے دفتریت و افسریت کا راج ہے۔ ائمہ، سلف صالحین اور اولیاء فرماتے ہیں کہ جب کبھی کوئی شخص کسی منصب دار کے پاس کوئی کام لے کر آئے اور وہ اس کام کی انجام دہی میں اتنی مستعدی، محنت اور دلچسپی اور تیزی کا مظاہرہ نہ کرے جو اپنی ذات کے لیے کرتا ہے، تو ایسے شخص کو مُردوں میں شمار کرو کہ وہ زندوں میں نہیں ہے۔

ہمیں ہمارے رفقاء، بھائی اور ساتھی اپنے اہل وعیال اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہونے چاہییں تبھی ہم خدمتِ دین کے تقاضوں کو ادا کرنے میں کامیاب ہوسکیں گے۔

## ۱۰۔ اُمورِ تحریک اور شوقِ عمل

ہمیں چاہیے کہ مشن کے امور کو بروقت نمٹایا جائے۔ آج کا کام کل پر چھوڑنا دفتریت کہلاتا ہے۔ ہمارے روز مرہ کے رویے اور دفتر کے ماحول سے ہمارے کردار کی عکاسی ہوتی ہے۔ استاد کے پڑھانے کا انداز، طلبہ کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اور جامعہ کا معیارِ تعلیم بلند کرنے سے استاد کے کردار کی عکاسی ہوتی ہے ۔اسی طرح تحریک کی جملہ نظامتیں، فورمز، شعبہ جات کا ماحول اپنے سے متعلقہ کارکنان وتنظیمات سے Dealing کی عکاسی کرتا ہے۔ کچھ کام ہوتے ہیں جو روز کے روز نمٹائے جا سکتے ہیں۔ کچھ کام دوسرے دن اور کچھ تیسرے دن بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن ہم لاپروائی سے انہیں ہفتوں پر ڈال دیتے ہیں۔ یہ دفتریت ہمیں دھیرے دھیرے فرعونیت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب دفتر میں ایک دوسرے کی پروا نہ کی جائے اورخودغرضی کا دور دورہ ہو جائے، تو اسی کو فرعونیت کہتے ہیں۔ کسی بڑے عہدے دار سے اگر ایک ماتحت ملازم شکایت کرنے سے ڈرتا ہے تو اس عہدے دار کے بداَخلاق ہونے کے لیے یہی پیمانہ کافی ہے۔

## ۱۱۔ باہمی مشاورت

امور کی انجام دہی میں مشاورت اہم ترین عمل ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ. (الشوریٰ: ۳۸)

''اور ان کا فیصلہ باہمی مشورہ سے ہوتا ہے''۔

چنانچہ اللہ رب العزت کے اس فرمان کی رو سے جو کام بھی کریں، مشاورت سے کریں لیکن مشاورت حقیقی ہونی چاہیے۔ اگر مالی معاملات ہیں، تو مالی معاملات کے ماہرین سے مشاورت کریں۔ تعلیمی معاملات ہیں تو تعلیم کے ماہرین سے مشاورت کرنی چاہیے۔ اسی طرح تنظیمات کے سربراہ کو پہلے اپنا اجلاس بلانا چاہیے۔ وہ سچا نمائندہ بن کر سب کی رائے لے پھر سچی اور حتمی بات کرے۔ یہی مشاورت کی روح ہے تاکہ لوگ کیے گئے فیصلوں میں اپنے آپ کو حصے دار سمجھیں۔ اس سے مرکز اور تنظیمات میں کوئی فاصلہ نہیں رہے گا۔ سارا مسئلہ رویوں کی تبدیلی کا ہے۔ اگر رویوں کا مسئلہ حل ہو جائے تو باقی مسائل خود بخود حل ہوتے چلے جائیں گے۔

## ۱۲۔ تحریکی ساتھیوں میں اخوت و بھائی چارہ

مشن کا کام کرنے والے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

مَثَلُ الْأَخَوَيْنِ مَثَلُ الْيَدَيْنِ، تَغْسِلُ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى. (احیاء علوم الدین، غزالی، ۲: ۱۷۳)

''دو مسلمان بھائیوں کی مثال ایسے ہے جیسے ایک بندے کے دو ہاتھ ہوں کہ ایک ہاتھ دوسرے کو دھوتا ہے''۔

یہ ہے اخوت کا بنیادی تصور۔ چنانچہ تمام ناظمین، ڈائریکٹرز، پرنسپل صاحبان غرض کہ ہر شخص جو جتنے اونچے اور بڑے عہدے کا حامل ہے اسے اتنا ہی زیادہ متواضع اور منکسر المزاج ہونا چاہیے۔ رفقاء و اراکین اور مشن کا کام کرنے والے سبھی لوگوں کا تنظیمات کے ساتھ مثالی سلوک ہونا چاہیے۔ ہمارے باہمی تعلق کے کم سے کم تین درجے ہیں:

۱۔ سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ہر ایک، دوسرے کے ساتھ سگے بھائی کی طرح برتاؤ کرے، جیسا کہ ہمارا چھوٹا بھائی ہمارا محتاج ہوتا ہے اور ہم اس پر شفقت کرتے ہیں۔ ہمیں اپنے تحریکی ساتھی کے کام کی بھی اتنی ہی فکر ہو کہ اسے سوال کرنے کی نوبت تک نہ آئے۔ اگر اس نے کوئی سوال کیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم حق ادا نہیں کر رہے۔

۲۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ ہر وہ رفیق اور ساتھی جس کے ساتھ ہمارا واسطہ ہے، وہ ہمارا بھائی ہے۔ اسے اپنی ذات کے درجے پر رکھیں۔

۳۔ تیسرا اور سب سے بڑا درجہ یہ ہے کہ اس تحریکی ساتھی اور رفیق کو اپنی جان پر ترجیح دیں۔ یہی اخوت کا بلند ترین معیار ہے۔

حضرت عمر ؓ فرماتے ہیں:

أُهْدِيَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ رَأْسُ شَاةٍ، فَقَالَ: إِنَّ أَخِي كَانَ أَحْوَجَ مِنِّي إِلَيْهِ، فَبَعَثَ بِهِ إِلَيْهِ، فَلَمْ يَزَلْ وَاحِدٌ يَبْعَثُ بِهِ إِلَى آخَرَ حَتَّى تَدَاوَلَهُ سَبْعَةُ أَبْيَاتٍ وَرَجَعَ إِلَى الْأَوَّلِ. (احیاء علوم الدین، غزالی، ۳: ۲۵۷)

''ایک صحابی رسول ﷺ کے پاس کسی نے بکری کا سر ہدیہ بھیجا، اُنہوں نے یہ خیال کر کے کہ میرا فلاں بھائی مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے اسے اس کے پاس بھیج دیا۔ یہی خیال کر کے ہر شخص آگے دوسرے شخص کو بھیجتا رہا حتیٰ کہ وہ ہدیہ سات گھروں کا چکر کاٹ کر واپس پہلے شخص کے پاس پہنچ گیا''۔

یہ ہے ایثار کا سب سے اعلیٰ درجہ جو آقا ﷺ نے تلقین کیا ہے۔ ہمیں اس طرح ایک دوسرے کی فکر کرنی چاہیے۔ جب یہ سوچ اور فکر ہمارا کردار بن جائے گی، تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے رویے بدل گئے ہیں؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے رویے وہ نہیں رہے جو ہونے چاہییں تھے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی ؒ بڑے جلیل القدر تابعی اور اکابر اولیاء و صالحین میں سے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:

لَوْ أَنَّ الدُّنْيَا كُلَّهَا لِيْ فِي لُقْمَةٍ ثُمَّ جَاءَنِي أَخٌ لَأَحْبَبْتُ أَنْ أَضَعَهَا فِي فِيْهِ. (الاخوان، ابنِ ابی الدنیا، ص: ۲۴۵، رقم: ۲۱۷)

''اگر ساری دنیا مجھے ایک لقمہ میں مل جائے، پھر میرے پاس میرا کوئی مسلمان بھائی آجائے تو مجھے یہ پسند ہوگا کہ وہ ایک لقمہ میں اپنے بھائی کے منہ میں ڈال دوں (مگر تب بھی مجھے لگے گا کہ میں نے اس کا پورا حق ادا نہیں کیا)''۔

یہ تو ممکن نہیں ہو سکتا کہ ہم سب ابو سلیمان دارانی بن جائیں یا پھر صدیق اکبر ؓ بن جائیں، عمر فاروق ؓ بن جائیں، عثمان غنی ؓ بن جائیں، علی المرتضیٰ ؓ بن جائیں، ابو ہریرہ ؓ بن جائیں اور حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ بن جائیں۔

تاہم یہ ضروری ہے کہ ہمیشہ اس معیار کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے پیروی کے لیے کوشاں رہیں۔

یاد رکھیں! رشتے کا blind faith کبھی کہنے، لکھنے، کاغذی کارروائی اور وعظ ونصیحت سے قائم نہیں ہوتا۔ حقیقی اعتماد تو عملی مشاہدے اور تجربے سے قائم ہوتا ہے۔ لہٰذا تمام عہدے داران و کارکنان کو ایک دوسرے پر ایسا اعتماد ہو کہ کوئی کسی دوسرے سے یہ توقع ہی نہ کرے کہ یہ عدل و انصاف سے ہٹ کر کوئی بات یا فیصلہ کر سکے گا۔ بڑے ہونے کا حقیقی معیار ہی یہ ہے کہ چھوٹوں کو بڑوں پر مکمل اعتماد ہو، آپس میں محبت کا ایسا رشتہ قائم ہو کہ جب بھی ملیں تو ملنے سے قلبی خوشی میسر آئے۔

جب ہم اللہ کے لیے ایک دوسرے کے بھائی اور دوست ہیں، تو پھر آپس میں اس قدر وسیع خلیج کیوں؟ ایک دوسرے کے بارے میں منفی سوچ کیوں؟ یقیناً کوئی خرابی تو ہمارے رویوں میں موجود ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ ہمارے رشتے میں عدل ہو، صفائی ہو، نیکی ہو اور ہر کسی کے ساتھ اچھا سلوک ہو۔ جب ہم کسی کو ناپسند کریں، تو گویا اللہ کی وجہ سے اور اس کے علاوہ جو بھی دوستی اور اخوت ومحبت تھی اسے ہم نے ختم کر دیا۔ جب کہ ہمارے درمیان باہمی رشتوں کی بنیاد حرص و ہوا اور دنیا پرستی کی بجائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے تھی۔ اگر مصطفوی کارکنان و عہدے داران کا یہ باہمی رشتہ قائم ہو جائے تو انتظامی وتنظیمی حوالے سے پریشانیاں ختم ہو جائیں۔

اسی کو پہلے زمانے میں **الاخوان فی اللہ** کہتے تھے۔ جو ایک دوسرے سے اللہ کے لیے دوستی کرتے تھے۔ انہیں اپنے خونی رشتوں سے مل کر اتنی خوشی نہیں ہوتی تھی جتنی اللہ کی وجہ سے قائم رشتہ داروں سے مل کر ہوتی تھی۔ یہ بڑی عجیب رشتہ داری ہے۔ آخرت میں اسی اخوت نے کام آنا ہے اور یہی ہمارے تعلق کی بھی بنیاد ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں صحابہ کرام ؓ کی تعریف کرتے ہوئے ان کی درج ذیل دو چیزیں خاص طور پر بیان کیں:

۱۔ جب دین کے دشمنوں کے ساتھ لڑتے ہیں تو **أشداء علی الکفار** کا پیکر ہوتے ہیں یعنی اللہ کے دشمن کے مقابلے میں بڑے سخت اور شدید ہوتے ہیں۔

۲۔ جب انہیں آپس میں دیکھو تو **رحماء بینھم** کا عملی پیکر بنے نظر آتے ہیں۔ یعنی وہ آپس میں بڑے رحیم اور سراپائے رحمت ہیں۔

ہمیں اپنے رویوں میں **رحماء بینھم** کے اس فیض کو سجانا ہے۔ اسی صورت میں اخوت و بھائی چارے کا یہ رشتہ جو تحریکی ساتھیوں کے مابین قائم ہے، مضبوطی و استحکام سے ہمکنار ہوگا۔

## ۱۳۔ ہمہ وقت مراقبہ، محاسبہ اور مؤاخذہ کا اہتمام

اخلاقی و روحانی تربیت کے لیے لازم ہے کہ خدمتِ دین کے سفر پر رواں ہر مسافر اپنے شب و روز کے معمولات میں درج ذیل تین چیزوں کو لازمی طور پر شامل رکھے:

۱۔مراقبہ ۲۔محاسبہ ۳۔مؤاخذہ

یہ تینوں امور نہ صرف انفرادی اصلاح کے لیے ضروری ہیں بلکہ تنظیمی و انتظامی لحاظ سے بھی ان کا اہتمام کرنا ہوگا۔ انفرادی و اجتماعی ہر دو سطح پر پہلے مراقبہ پھر محاسبہ اور پھر مؤاخذہ کا عمل ہے۔ ذیل میں ان تینوں کو واضح کیا جا رہا ہے:

### (۱)مراقبہ

نگرانی کرتے رہنے کو مراقبہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صوفیاء اور اولیاء کو بھی روحانی تربیت کے لیے یہی نظام دیا ہے۔ تنظیمی تربیت کی خارجی اور اندرونی دنیا کے لیے بھی یہی نظام کار آمد ہے۔ تنظیموں میں بھی یہی طریقہ کار فرما ہے کہ بڑا عہدے دار ہمیشہ مراقبہ یعنی نگرانی کرتا ہے اور جو نگرانی نہیں کر سکتا، اسے اس حلقے میں بڑا رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، یہیں سے نظام خراب ہوتے ہیں۔

نگرانی کا ایک تعلق work load کے ساتھ ہے اور ایک صلاحیت کے ساتھ۔ یعنی اگر کسی میں نگرانی کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، تو پھر نگرانی کیسی؟ اگر کوئی کسی کام کی ہر وقت نگرانی نہیں کر سکتا تو اس کا بڑا بنایا جانا یا بڑا بن کر رہنا بے سود ہے۔ اگر کسی کو کسی ایک حلقے اور ایک کام کے لیے بڑا مقرر کیا گیا ہے، اسے ہر صورت میں اپنے فرائضِ منصبی نہایت احسن انداز میں ادا کرنے چاہییں۔ جتنا کام اُسے سونپا جائے اس کی ہر وقت نگرانی کرے۔ جب وہ صحیح انداز میں مراقبہ

کرے گا، تب ہی محاسبہ کرسکے گا۔ اس لیے کہ محاسبہ اور احتساب کے بغیر مطلوبہ نتائج سامنے نہیں آ سکتے۔

مراقبہ کے لغوی معنی غور کرنا، سوچ بچار کرنا، اور تدبر وتفکر کرنا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں اس کا مطلب نگرانی ہے۔ صوفیاء مراقبہ کیوں کرتے ہیں؟ وہ اپنے نفس، عقل، قلب، روح اور باطن کی نگرانی کرتے ہیں۔ نگرانی کا مطلب یہ ہے کہ نگران دیکھتا رہے کہ دل و دماغ میں کہیں کوئی غلط وسوسہ، کوئی غلط خیال تو نہیں داخل ہو رہا۔ کہیں کوئی ایسی سوچ تو نہیں آ رہی جو شیطان اور نفس امارہ نے ڈالی ہو۔ کہیں وہم و گمان میں کوئی دنیوی خیال تو نہیں آ رہا۔

ہر مصطفوی کارکن انفرادی اعمال کے حوالے سے بھی مراقبہ کا اہتمام کیا کرے تاکہ وہ اپنے باطن میں پنپنے والے وساوس اور شکوک وشبہات کی بروقت بیخ کنی کر سکے۔

## (۲) محاسبہ

مراقبہ یعنی نگرانی کے بعد محاسبہ کا عمل ہے۔ یہ عمل بھی انفرادی اور اجتماعی سطح پر سرانجام دیا جانا ضروری ہے۔ مراقبہ یعنی نگرانی کے ذریعے بندہ اپنے جن انفرادی اعمال کے حوالے سے کمی، کوتاہی اور نقص سے آگاہ ہو، اُن کا محاسبہ کرے کہ میں اِن امور کا شکار کیسے ہو گیا۔

انفرادی سطح کے ساتھ ساتھ انتظامی اور تنظیمی سطح پر بھی محاسبہ کا عمل تحریک و تنظیم کی بقاء کے لیے ازحد ضروری ہوتا ہے۔ ہر مصطفوی کارکن اپنے انفرادی اعمال میں بھی اور اپنی ذمہ داریوں کے لحاظ سے بھی اپنا حساب کتاب چیک کرتا رہے کہ کس کس سطح پر وہ کمی، کوتاہی کا مرتکب ہو رہا ہے اور وہ کون سے اعمال ہیں جو آگے بڑھنے کے لیے اس کا راستہ روکے ہوئے ہیں۔

اس طرح تنظیمی و انتظامی نگران بھی اپنے ماتحت افراد کی اولاً نگرانی کا حق ادا کریں اور پھر ٹیم ورک کی حیثیت سے اپنے طے شدہ اہداف تک نہ پہنچنے کی صورت میں یا ذمہ داریوں کی کما حقہ بجا آوری نہ ہونے کی صورت میں نگرانی کے دوران جو کوتاہی یا نقص سامنے آیا تھا، اس کا بھرپور جائزلیں اور تنظیمی و انتظامی مرض کی تشخیص کریں تاکہ اگلا سفر آسان ہو سکے۔

## (۳) مواخذہ

مراقبہ اور محاسبہ کے بعد مواخذہ کا عمل ہے۔ یعنی جو غلطی، کوتاہی اور نقص انفرادی و اجتماعی سطح پر سرزد ہوا ہے، اس کے ذمہ دار کا تعین کر کے گرفت بھی کی جائے۔ یہ امر ذہن میں رہے کہ نگرانی کرنے والا اسی صورت میں مؤاخذہ کا حق رکھتا ہے، اگر اس نے نگرانی کے تقاضے پورے کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ بیان فرما کر پہلے اپنی رحمت کی فراوانی بیان فرمائی۔ پھر اس کے بعد کہا: چونکہ میں رحمت کرتا ہوں، اس وجہ سے اب مٰلِکِ یَوْمِ الدِّینِ بھی ہوں، یعنی مؤاخذہ کا حق رکھتا ہوں۔ (وہ مالک ہے، تمام حقوق اسی کے ہیں) اگر کسی بڑے کا یہ تعلق چھوٹے سے نہیں ہے تو اسے قرآن مجید کی روشنی میں مؤاخذہ کا حق بھی حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا جو شفقت نہیں کرتا، وہ مؤاخذہ کرنے کا حق دار نہیں ہوسکتا ہے۔ اگر وہ شفقت کے بغیر صرف مؤاخذہ ہی کرے تو وہ جابر تو ہوسکتا ہے نگران ہرگز نہیں۔

## خلاصۂ کلام

خدمتِ دین کے تقاضے پورے کرنے کے لیے ہمیں چاہیے کہ ہمیشہ اپنے اعمال، افعال اور اخلاق کو درست رکھیں۔ شریعت کی پابندی کریں۔ آقا ﷺ کے دین کی بڑھ چڑھ کر خدمت کریں۔ کسی بھی حالت میں نماز نہ چھوڑیں۔ ہمیشہ با جماعت نماز ادا کریں۔ گوشہ درود میں بیٹھا کریں۔ حق اور سچ بولیں۔ آپس میں محبت و مودّت سے رہیں۔ یاد رکھیں! جن پیڑوں پر پھل لگتے ہیں وہی جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ خدا اور مصطفیٰ ﷺ کو جھکے ہوئے دِل ہی پسند ہیں۔ جو درخت اکڑے ہوئے ہوتے ہیں ان پر کچھ نہیں لگتا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو بھی اللہ کی بارگاہ میں جھکے ہوئے اور عاجز لوگ ہی پسند ہیں۔ جھکنے میں عظمت ہے جبکہ اکڑنے میں ذلت اور تباہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں استقامت، عاجزی اور انکساری کے ساتھ جھکنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ❁❁❁❁❁

انسانی حیات کی تخلیق اس کائنات کا اہم ترین واقعہ ہے

# اقوام و ملل کی حیاتِ ثلاثہ

## جسدی حیات.....شعوری حیات.....روحی حیات

ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

اِنسانی حیات کی تخلیق اس کائنات کا اہم ترین واقعہ ہے۔ ہمارے خالق و مالک نے اس کی بقا کی خاطر اپنی قدرتِ کاملہ سے ایسے ایسے اسباب پیدا فرمائے ہیں کہ عقول ان کے ادراک سے عاجز ہیں۔ انسانی حیات کی تعمیر و ترقی میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار ایسی صلاحیتیں انسان کو ودیعت کی ہیں جن کو بروئے کار لا کر وہ اپنا مقصد حیات حاصل کرسکتا ہے۔ اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے اس کے علم کی وسعت کے سامنے فرشتوں نے سرِتسلیم خم کیا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کی گئی ان نعمتوں کو سمجھے اور ان کی روشنی میں اپنی زندگی کے شب و روز سنوارے۔ یہ متنوع انسانی زندگی اس امر کی متقاضی ہے کہ بندہ اپنی شخصیت کی تکمیل میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں کوشاں رہے۔

زندگی کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی گئی نعمت کی تعمیر و تشکیل کی تین اقسام ہیں جن کی بہترین نگہبانی اور تربیت کے ذریعے انسان خالقِ کائنات کی طرف سے عطا کردہ احسنِ تقویم کے مرتبے پر فائز ہوسکتا ہے۔ جسدِ انسانی بظاہر تو ایک مادی جسم نظر آتا ہے جس کو دیکھ کر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک ہی حیات ہے، لیکن اِس حیات کے درحقیقت تین الگ الگ پہلو اور جہات ہیں:

۱۔ جسدی حیات ۲۔شعوری حیات ۳۔ روحی حیات

### ۱۔ جسدی حیات

سب سے نمایاں پہلو اور جہت حیاتِ جسدی ہے جو ہر کسی کو چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ جسدی حیات انسان کی پیدائش،نگہداشت، دیکھ بھال، پرورش، اس کی معاشرتی و معاشی دائرہ کا، ازدواجی زندگی وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ تمام امور درجہ بدرجہ تکمیل پذیر ہوتے ہیں حتیٰ کہ پھر انسان اس جسدی حیات میں کوئی بزنس میں چلا جاتا ہے، تو کوئی سیاست کو بطور میدانِ کار منتخب کرتا ہے اور اپنی پہچان وہاں بناتا ہے۔ کوئی مختلف پروفیشن اختیار کرتے ہوئے ڈاکٹر، انجینئر، لیکچرار وغیرہ بن کر اپنی شناخت قائم کرتا ہے۔ الغرض یہ ساری ترقی، گھر بار، لباس ، روزگار یہ تمام امور اُس کی جسدی حیات سے متعلق ہیں۔ اسے ہم جسدی حیات کہتے ہیں۔

### ۲۔شعوری حیات

جسدی حیات کے بالمقابل انسانی جسم میں ایک اور حیات بھی نمو پاتی ہے جسے شعوری حیات کہتے ہیں۔ ہماری conscious life جسدی حیات سے بالکل مختلف ہے۔ اُس میں انسان علمی زندگی گزارتا ہے، مطالعہ کرتا ہے، مختلف تعلیمی اداروں، کالجوں، یونیورسٹیوں میں جا کر مختلف degrees حاصل کرتا ہے اور اُس کے علاوہ وہ تجربہ جو سالہا سال کی زندگی گزارنے کے بعد حاصل کرتا ہے، یہ سب مل کر اُس کی شعوری حیات کو فروغ دیتے ہیں۔ یہ حیاتِ انسانی کی دوسری قسم ہے۔

### ۳۔ روحی حیات

حیاتِ انسانی کا تیسرا پہلو روحی حیات ہے جس کا تعلق

بظاہر انسان کی روح سے ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے منسلک ہوتا ہے، جو ہمارا خالق و مالک ہے۔ حیاتِ انسانی کا یہ پہلو اخلاقیات پر مشتمل ہوتا ہے۔ جس میں اخلاقی زندگی (moral life) اور مذہبی زندگی (religious life) شامل ہے۔ یہ پہلو انسان کی رہنمائی کرتے ہوئے اس کے لیے درست سمت متعین کرتا ہے کہ وہ دنیا میں زندگی کیسے گزارے؟ اپنے اخلاق کیسے سنوارے؟ اپنی عادات و اطوار کیسی بنائے؟ اپنے لیے پیمانہ متعین کرتے ہوئے مشاہدہ کرے کہ اس کی طبیعت میں کیا بری اخلاقیات مثلاً جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، ناانصافی کرنا، ناحق کسی کا مال کھانا، کرپشن وغیرہ شامل ہیں یا اخلاقیاتِ حسنہ مثلاً سچ بولنا، حسانت میں بڑھ چڑھ کے حصہ لینا، نیکی کی ترویج کرنا، ایفائے عہد اور خدمتِ خلق وغیرہ شامل ہیں۔ پھر درست رہنمائی ملنے پر نیکی اور اچھائی کا ساتھ دے۔ یہ تمام امور انسان کی اخلاقی زندگی (moral life) سے متعلق ہیں۔ اِس کا تعلق حیات روحی کے ساتھ ہے۔

گویا جسم تو ایک ہے لیکن اِس میں تین طرح کی زندگیاں موجزن ہیں اور اُن تینوں زندگیوں کی ضرورتیں اور خوراک جدا جدا ہے، کسی ایک زندگی کی خوراک دوسری زندگی کے کام نہیں آتی۔ مثال کے طور پر جسدی زندگی کی ضرورت محنت کرنا، کاروبار کرنا، گھر بار بنانا اور نوکری کرنا ہے تو اس کے نتیجے میں جسدی حیات ہی مضبوط ہوگی، جبکہ شعوری حیات اور روحی حیات کو خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوگا۔ اِسی طرح انسان کی شعوری حیات کی خوراک علم اور تجربہ حاصل کرنا ہے جس کے نتیجے میں وہ پروان چڑھتی ہے۔

جس طرح پہلی دونوں قسم کی حیات کو بیٹھے بٹھائے کچھ نہیں ملتا۔ اِسی طرح روحی حیات کو بھی بیٹھے بٹھائے کچھ نہیں ملتا۔ اِس کو اچھے اخلاق سے، دین داری سے، اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے سے، حیاداری کے ساتھ اور اپنی زندگی کو ڈسپلن کے ساتھ ایک بہتر راستے پر چلانے سے خوراک میسر آتی ہے۔ جب یہ تینوں حیات بیک وقت پروان چڑھتی ہیں تو اِنسان پھر اِنسان نہیں رہتا بلکہ اِنسان کامل بن جاتا ہے۔ عموماً جب ایک حیات نمو پاتی ہے اور بقیہ دو neglect ہوتی رہتی ہیں تو ایسا انسان جتنی بھی ترقی کر لے، وہ کامل نہیں بن سکتی۔ اقبال کا مردِ مرتضیٰ نہیں بن سکتا۔ مردِ مرتضیٰ تب بنے گا جب بیک وقت اِن تینوں طرح کی زندگیوں پر یکساں توجہ سے محنت کرے گا۔ لیکن امرِ واقعہ ہے کہ ہم بیک وقت حیات کے تینوں پہلوؤں کی برابر نشو و نما اور تربیت پر بہت کم توجہ دیتے ہیں۔

## ۴۔ اچھا اِنسان کیسے بنتا ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اچھا انسان کیسے بنا جائے؟ اس کے لیے ضرورت اس امر کی ہے عصرِ حاضر میں شکوہِ قحط الرجال سے بہتر ہے کہ تینوں پہلوؤں پر برابر توجہ دی جائے اور انہیں نکھارا جائے اور عدل کا تقاضا بھی یہی ہے۔ جب کہ اگر حقیقت پر نگاہ دوڑائی جائے تو یہ بات آشکار ہوتی ہے کہ تینوں اقسامِ حیات اس وقت اصلاح طلب ہیں کیوں کہ انسان مقصدِ حیات کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے ہر پہلو کو اس حد تک نبھا رہا ہے جہاں تک اس کی معاشرتی، معاشی، سیاسی، تمدنی، مذہبی ضرورت پوری ہو جائے۔ اس مادیت زدہ دور نے انسان سے (الّا ما شاء اللہ) طلبِ صادق چھین لی ہے۔ وہ mediocre سطح کا انسان بن کر رہ گیا ہے۔ جسدی حیات کی ضروریات کی تکمیل اور اعلیٰ دنیوی زندگی کا تصور چونکہ مال و متاع کے بغیر کرنا ناممکن ہے اس لیے اس کی مکمل توجہ اسی پر ہی مرکوز ہو کر رہ گئی ہے، تاکہ مال و دولت کمائی جا سکے۔ ڈگری حاصل کرنے کے بعد روزگار کی طرف متوجہ ہو جاتا ہیں، اس کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی اخلاقیات پر توجہ دے کر اچھا اِنسان بننے کی تگ و دو کرے۔ لہٰذا وہ پروفیسر، انجینئر، ڈاکٹر تو بن جاتا ہے مگر قابلِ تشویش پہلو یہ ہے کہ کیا وہ اچھا انسان بھی بن پایا یا نہیں؟ اچھا انسان تو اسے روحی حیات نے بنانا تھا جسے نظر انداز (neglect) کر دیا گیا تھا۔

اگرچہ عددی اعتبار سے انسان کا کلی ارتکاز جسدی حیات پر رہتا ہے، تاہم محدود پیمانے پر بعض ایسے انسان بھی پائے جاتے ہیں جو شعوری اور روحی حیات کی جانب مقابلتاً زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ ان میں ایک طبقہ فقط شعوری حیات پر توجہ دینے والوں کا ہے جو فقط مطالعہ اور تحریر و تصنیف میں مشغول رہا اور

اپنی فرائض بطور گھر کے سربراہ کے احسن طریق سے نہ نبھائے، اپنی اولاد کی تربیت کا نہ سوچا، اُن کو بہتر زندگی دینے کا نہ سوچا، practical life میں نہ گئے، اُس کے نتیجے میں ان کی جسدی حیات neglect ہوگئی۔ کچھ لوگوں نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی، فقط خلوت نشینی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی اُنہوں نے جسدی حیات کو بھی neglect کر دیا اور شعوری حیات جس کا تعلق علم سے تھا اُسے بھی neglect کر دیا۔ گویا ان میں سے بھی کوئی ایسا اِنسان کامل نہ بن سکا، جس کے اندر تینوں پہلوؤں نے بیک وقت ترقی پا کر ایک جامع اور متوازن شخصیت نے تشکیل پانا تھی۔ لہٰذا توجہ طلب امر یہ ہے کہ اب ایسی صورت حال میں انسانِ کامل کہاں سے وجود میں آئے؟ اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان کو چاہیے کہ اعتدال و توازن کی راہ اختیار کرتے ہوئے تینوں پہلوؤں کو برابر توجہ دے تا کہ اقبال کا مردِ مرتضٰی بن سکے۔

## ۵۔ اقوام و ملل کی حیاتِ ثلاثہ

جس طرح حیاتِ بشری میں بیک وقت تین زندگیاں کار فرما ہوتی ہے اِسی طرح اقوام و ملل کی حیات میں بھی تینوں زندگیاں پائی جاتی ہیں۔ ہر قوم کی ایک جسدی حیات، ایک شعوری حیات اور ایک روحی حیات ہوتی ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ اُس کے law and order کی صورتِ حال اچھی ہو، اُس کا نظامِ معیشت اچھا ہو، اُس کا نظامِ سیاست اچھا ہو، اُس کا نظامِ عدالت اچھا ہو، اُس کے اندر بنائے گئے تمام ادارہ جات شاندار انداز میں کام کرنے کے اہل ہوں۔ غریب کو انصاف ملتا ہو، بھوکے کو روٹی ملتی ہو، کسی کے ساتھ ظلم اور ناانصافی نہ ہو، ظالم کی گرفت ہوتی ہو، یعنی تمام ادارہ جات اپنی اپنی جگہ پر صحیح کام کر رہے ہوں تو ایسی مثالی صورت کو کہیں گے اِس ملک کی جسدی حیات اچھی ہے۔

اگر ایک ملک سائنسی ترقیاں (Scientific developments) کر رہا ہے، ملک میں نت نئی ایجادات (inventions) ہو رہی ہیں۔ خلاء کو تسخیر کر رہا ہے، ملکی صنعت ترقی یافتہ ہے، اس کی صنعت و حرفت میں نئی نئی ٹیکنالوجی استعمال ہو رہی ہے، اس ملک نے اپنی تمام تر کاوشوں کی بدولت بڑا مقام پیدا کر لیا ہے، اُس کا تعلیمی معیار قابلِ فخر ہے، تو اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ اِس ملک کی شعوری حیات بھی بڑی اچھی ہے۔

اِسی طرح اگر ایک ملک اعلیٰ اخلاقی معیار کا حامل ہے، اُس قوم کی اخلاقیات اچھی ہے، وہ قوم رشوت نہیں لیتی، وہ چوری نہیں کرتی، وہ غبن نہیں کرتی، وہ کھانے کی اشیاء میں ملاوٹ نہیں کرتی، ٹیکس ادا کرتی ہے، اخلاق سوز واقعات سے پاک ہے، تو کہیں گے کہ اِس قوم کی moral life بھی اچھی ہے یعنی اِس قوم کی روحی حیات بھی اچھی ہے۔

## ۶۔ پاکستان کس مقام پر؟

مذکورہ بالا تناظر میں اگر ہم وطنِ عزیز ملکِ پاکستان کی قومی حیات کا جائزہ لیں تو ایک تکلیف دہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ آزادی کے 71 سال بیت جانے کے بعد بھی یہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور اس کی قومی حیات کے تینوں پہلو شکستہ اور قابلِ رحم حالت میں ہیں۔ ہر پہلوِ حیات اپنی خستہ حالت پر نوحہ کناں ہے۔ روحی حیات کا تو وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔ جب کہ بقیہ دو پہلوِ حیات کمزور صورت میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

یہی وجہ ہے پاکستانی قوم میں ٹیلنٹ ہونے کے باوجود میرِ کارواں اچھا میسر نہ آنے کی صورت میں وہ در بدر کی ٹھکریں کھا رہی ہے۔ یہی وہ خطہ مشرق ہے جہاں سے میرِ عرب کو خوشبو کے جھونکے آئے۔ برصغیر کی وہی سرزمیں ہے جہاں سے ایک زمانے میں قوم کے لیڈرز، ائمہ، مجتہدین اور عظیم اولیاء و صوفیاء کرام پیدا ہوئے۔ جس کی اصل وجہ تینوں قومی حیات کے پہلوؤں پر یکساں توجہ تھی۔ جس طرح تینوں حیات اگر انسان کی زندگی میں مکمل نہ ہوں تو وہ کامل نہیں بن سکتا بالکل اسی طرح جب تک مذکورہ تینوں جہات کسی قوم اور ملک کی زندگی میں مجتمع نہیں ہوں گی، وہ ملک اوجِ ثریا کی بلندیوں کو نہیں چھو سکتا اور اس کے نوجوان سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان اور اخلاقیات میں آگے نہیں بڑھ سکتے۔

## ۷۔ حاصلِ کلام

المختصر یہ کہ قدرت کی طرف سے تین طرح کی حیات

انسان کی ذاتی زندگی میں خمیر کے طور پر رکھ دی جاتی ہے، ان کی نشوونما تعلیمی ادارہ جات سے شروع ہوتی ہے، اِس کا آغاز سکولز سے ہوتا ہے، پھر کالجز اور یونیورسٹیز اپنی اپنی سطح پر کردار سازی کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔ اگر اِن تعلیمی ادارہ جات میں نوجوانوں کی اِن تین طرح کی زندگیوں کی بہتری کو یقینی بنایا جائے تو اِن شاء اللہ! ان تینوں خصوصیات کے حامل بچے پاکستان کے عظیم contributors اور مہذب شہری بن سکتے ہیں۔ پھر وہ نہ صرف پاکستان کا نام بلند کریں گے بلکہ عالم اسلام کے لیے باعث فخر ہوں گے۔

نظریاتی اور غیر نظریاتی تعلیمی اداروں کے درمیان یہی بنیادی فرق ہے کہ غیر نظریاتی اداروں میں صرف تعلیم دی جاتی ہے یعنی فقط انسان کی شعوری حیات پر محنت کی جاتی ہے یا جسدی حیات کی طرف توجہ مبذول کروائی جاتی ہے کہ وہ بہتر روزگار حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں۔ مگر نظریاتی انسٹی ٹیوشن میں اِس چیز کو یقینی بنایا جاتا ہے کہ اس میں داخل ہونے والے طلبہ و طالبات کی زندگی میں تینوں طرح کی حیات یکساں ترقی کریں، اُس کی moral life بھی اچھی ہو تاکہ وہ ایک بہتر شہری اور بہتر انسان بن سکے، اُس کی شعوری حیات بھی اچھی ہو تاکہ وہ ایک عظیم سکالر بن سکے، پھر اُس کی جسدی حیات بھی اچھی ہو تاکہ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد جب وہ عملی زندگی میں جائے تو اپنے لیے بہتر سے بہتر روزگار کا انتخاب کر سکے۔ ❁❁❁❁❁

## انا للہ وانا الیہ راجعون

گذشتہ ماہ محترم شہباز احمد طاہر (سوشل میڈیا) کے والد محترم، محترم محمد فرحان ثنائی (گوجرانوالہ) کے والد، محترم محبوب حسین (ڈپٹی ایڈیٹر مجلّہ) کے چچا جان، محترم محترم محمد لطیف مدنی (مرکزی ناظم دعوت) کے خالو محترم حاجی بشیر احمد اور پھوپھا محترم علی حسین، محترم احمد ناز ملک (صدر تحریک منہاج القرآن کینیڈا) کے بڑے بھائی محترم ملک رب نواز (چکوال)، محترم محمد نواز (ناظم رفاقت جڑانوالہ) کے ماموں، محترم تاج محمود (ناظم ویلفیئر حجرہ شاہ مقیم) کی والدہ، محترم رحمت چنا (حجرہ شاہ مقیم) کے بھائی محترم سلامت، محترم ثمر عباس (دولت والا بھکر) کے ماموں، محترم جاوید اعوان (گڈولہ بھکر) کے بھائی محترم صادق اعوان، محترم محمد شفیق خان بھٹی (اسماعیل والا بھکر) کے بھائی محترم محمد عمر، محترم محمد خالد قادری (اسماعیل والا بھکر) کے دادا، محترم ملک محمد مشتاق (قیصر کل جہاں خان بھکر) کی والدہ، محترم شیخ ناظم حسین (کلال والا شرق پور) کی والدہ، محترم مہر مشتاق احمد (نیا لاہور) کی والدہ، محترم حاجی محمد رمضان توگیروی (دیپالپور) کے والد، محترم مختار احمد موچی (بیک احمد یار) کی ہمشیرہ، محترم محمد عارف اور محمد آصف (پی پی 72 فیصل آباد) کی والدہ، محترم انجینئر محمد رفیق نجم کے کزن محترم حاجی عبدالستار (ڈجکوٹ فیصل آباد)، محترم حافظ ساجد علی (ناظم TMQ حویلی لکھا) کے سسر (حجرہ شاہ مقیم)، محترم احمد فاروق حیدر (گوجرانوالہ) کی والدہ، محترم مرزا محمد یعقوب (گوجرانوالہ)، محترم ڈاکٹر اظہر پرویز بھٹی (سیالکوٹ)، محترم راجہ محمد ندیم (کوآرڈینیٹر داد رسی سیل) کی تائی جان (لاہور)، محترم چوہدری محمد اشرف تارڑ (صفدر آباد) کی چچی، محترم حافظ خالد محمود (سانگلہ ہل) کے والد، محترم راجہ محمد فیاض القادری (کوٹلہ ارب خان) کے بھائی محترم راجہ گل محمد، محترم چوہدری معراج دین (کوٹلہ اربعلی خان) کے والد چوہدری اصغر علی، محترم محمد منیر (کوٹلہ اربعلی خان) کے بہنوئی، محترم افتخار احمد گل (کوٹلہ اربعلی خان) کے چچا جان، محترم محمد امین انصاری (قصور) کے خالو، محترم نثار بزمی (قصور) کے انکل، محترم علامہ شاہد الرحمٰن (سرائے عالمگیر) کے والد، محترم حافظ احتشام محمود (سیالکوٹ) کے تایا زاد بھائی، محترم سید حیدر علی شاہ (لالیاں، چنیوٹ) کے والد، محترم حافظ مظہر علی ہرل (لالیاں، چنیوٹ) کی خالہ، محترم سکندر نواز بھٹی (سکھیکی منڈی) کے والد قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرکزی سیکرٹریٹ اور گوشہ درود میں موجود احباب نے جملہ مرحومین کی مغفرت وبخشش کے لئے خصوصی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

23مارچ 1940ء یوم پاکستان

# ”ہمارا سب سے بڑا مسئلہ رشوت اور کرپشن ہے“

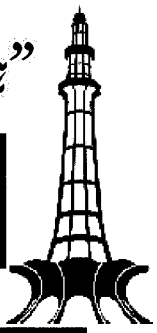

## قائداعظم نے فرمایا: ”زندگی کی واحد تمنا یہ ہے کہ مسلمانوں کو آزاد اور سربلند دیکھوں“

خصوصی مضمون: ڈاکٹر صفدر محمود کی کتاب ”پاکستان میری محبت“ سے اقتباس

زمانہ گواہ ہے کہ قائداعظمؒ ایک سچے، کھرے اور بااصول انسان تھے۔ ان کے بدترین دشمن بھی ان کے کردار کی عظمت کے معترف ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانان برصغیر ان پر جان چھڑکتے تھے اور ان پر اندھا اعتماد کرتے تھے۔ میرے نزدیک قائداعظمؒ کی راست گوئی اور عظمت کردار سیرت النبیﷺ کے گہرے مطالعے کا اعجاز تھی جس کے کئی شواہد ملتے ہیں۔ قائداعظمؒ کوئی روحانی یا مذہبی شخصیت نہیں تھے اور نہ ہی انہوں نے کبھی ایسا دعویٰ کیا۔ وہ بار بار کہتے رہے کہ میں ”مولانا“ نہیں ایک عام مسلمان ہوں۔ نمود و نمائش، منافقت اور دہرے معیار سے نفرت کرتے تھے۔ ان کی تقریریں اور ان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ ان کے باطن اور دل کی گہرائیوں کی عکاسی کرتے تھے کیونکہ وہ ایک بے لوث انسان تھے اور ان کے پیش نظر صرف اور صرف قومی مفاد تھا جس کے حصول کے لیے انہوں نے زندگی کے آخری لمحے تک جدوجہد کی۔

قائداعظمؒ کی شخصیت اور ان کے مزاج کو ذہن میں رکھ کر ان کی تقریریں پڑھیں تو احساس ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے محبت، اسلام کی بقاء اور عظمتِ اسوۂ حسنہ، اپنے ضمیر اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی جیسے احساسات و تصورات ان کے ذہن پر نقش تھے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی تقریریں ان الفاظ اور ترکیبات کے ذکر سے بھری پڑی ہیں۔

بدقسمتی سے قائداعظمؒ کی شخصیت کے اس پہلو کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ اس لیے میں قائداعظمؒ کی آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ 1939ء میں کی گئی تقریر کے چند فقرے نمونے کے طور پر پیش کر رہا ہوں۔ انہیں پڑھیے اور ان الفاظ کے باطن میں جھانکئے تو آپ کو اصل جناح کا سراغ ملے گا۔ وہ جناح جو بظاہر انگریزی بولتا، مغربی لباس پہنتا اور مغربی طور طریقوں پر عمل کرتا تھا لیکن باطنی طور پر کیا تھا۔ قائداعظم کے الفاظ تھے:

”مسلمانوں! میں نے دنیا کو بہت دیکھا، دولت، شہرت اور عیش و عشرت کے بہت لطف اٹھائے۔ اب میری زندگی کی واحد تمنا یہ ہے کہ مسلمانوں کو آزاد اور سربلند دیکھوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب مروں تو یہ یقین اور اطمینان لے کر مروں کہ میرا ضمیر اور میرا خدا گواہی دے رہا ہو کہ جناح نے اسلام سے خیانت اور غداری نہیں کی۔ میں آپ کی داد اور شہادت کا طلب گار نہیں ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ مرتے دم میرا اپنا دل، ایمان اور میرا ضمیر گواہی دے کہ جناح تم نے مدافعتِ اسلام کا حق ادا کر دیا۔ جناح تو مسلمانوں کی حمایت کا فرض بجالائے۔ میرا خدا یہ کہے کہ بیشک تم مسلمان پیدا ہوئے اور کفر کی طاقتوں کے غلبے میں علمِ اسلام کو سربلند رکھتے ہوئے مسلمان مرے۔“

یوم حساب، خدا کے حضور سرخروئی کا خیال، مسلمانوں اور اسلام کی سربلندی کا علم بلند کیے ہوئے مرنے کی آرزو اور رضائے الٰہی کی تمنا صرف اور صرف وہ شخص کر سکتا ہے جو سرتا پا سچا مسلمان اور پکا مومن ہو اور جس کا باطن خوفِ خدا کے نور سے منور ہو۔ غور کیجئے کہ جب قائداعظمؒ نے یہ تقریر کی اس وقت ان کی

عمر تقریباً 53 سال تھی اور ان کی شہرت اوجِ ثریا پر تھی۔

قائداعظمؒ سیاست میں مذہب کے عمل دخل کو پسند نہیں کرتے تھے۔ 7فروری 1935ء کو مرکزی قانون ساز اسمبلی میں آزاد رکن کی حیثیت سے تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

''میں حزب مخالف کے قائد سے پوری طرح متفق ہوں کہ مذہب' نسل اور زبان کو سیاست میں دخل نہیں دینا چاہیئے مذہب انسان اور خدا کا معاملہ ہے لیکن براہ کرم غور کیجئے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں' وہ مذہب کا معاملہ نہیں بلکہ میں تو اقلیت کی بات کر رہا ہوں جو ایک سیاسی مسئلہ ہے کیونکہ ہمارے ملک میں اقلیتوں کے مسائل ہیں اور ہمیں ان مسائل کو حل کرنا ہے''۔

اسی تقریر میں آگے چل کر اقلیت کی تشریح کرتے ہوئے قائداعظمؒ کہتے ہیں:

''اقلیت کا مذہب' تمدن' کلچر اور بعض اوقات آرٹ میوزک بھی اکثریت سے مختلف ہوتا ہے۔ اس لئے اقلیت کو تحفظات کی ضرورت ہوتی ہے''۔

واضح رہے کہ اپنے سیاسی کیریئر کے آغاز میں محمد علی جناح مسلمانوں کے بحیثیت اقلیت تحفظات کیخلاف تھے لیکن کانگرس اور ہندو اکثریت کے ارادے بھانپنے کے بعد قائداعظمؒ کے خیالات میں تبدیلی آئی جو ارتقائی عمل کا حصہ ہے اور انہوں نے مسلمانوں کو اقلیت کے چکر سے نکال کر ایک منفرد قوم کی حیثیت سے پیش کیا اور اسی قومیت کے حوالے سے ایک علیحدہ خطہ زمین کے حصول کو اپنی منزل بنا لیا۔

دراصل قائداعظمؒ کو زندگی بھر اقلیتوں کے مسئلے سے واسطہ رہا اور وہ اس سے نبٹنے کی کوششیں کرتے رہے۔ متحدہ ہندوستان میں مسلمان سب سے بڑی اقلیت تھے اور اس اقلیت کے سب سے بڑے رہنما محمد علی جناح تھے۔ چنانچہ متحدہ ہندوستان کا خواب ٹوٹنے کے بعد (جس کا نقطہ عروج 1928ء کی نہرو رپورٹ کو قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ قائداعظمؒ نے اسے پارٹنگ آف دی ویز یعنی راستوں کی علیحدگی قرار دیا تھا) قائداعظمؒ پہلے پہل مسلمان اقلیت کے حقوق اور بعدازاں مسلمان قوم کے حقوق کیلئے اس وقت تک مسلسل لڑتے رہے، جدوجہد کرتے رہے جب تک قیام پاکستان کے امکانات واضح نہیں ہوئے۔ مسلمان اقلیت سے مسلمان قوم کے سفر میں 1940ء کی قرارداد لاہور یا قرارداد پاکستان ایک طرح سے اہم ترین سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اس کے بعد قائداعظمؒ اور مسلم لیگ کا موقف یہ رہا کہ مسلمان ایک اقلیت نہیں بلکہ ہر تعریف' معیار اور تصور کے مطابق ایک قوم ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس قومیت کی اہم ترین بنیاد مذہب تھی۔

اسی طرح جب قیام پاکستان کا مرحلہ قریب آیا تو قائداعظمؒ کیلئے سب سے اہم سوال اور مسئلہ پھر اقلیتوں کا تھا کیونکہ پاکستان میں بھی کئی مذہبی اقلیتیں آباد تھیں اور ادھر ہندوستان میں بھی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں کی ہی تھی جس کے تحفظ کیلئے قائداعظمؒ پریشان رہتے تھے۔ چنانچہ قیام پاکستان سے چند ماہ قبل اور چند ماہ بعد تک ان سے بار ہا اقلیتوں کے مستقبل کے بارے میں سوالات پوچھے جاتے رہے جس کی وہ بار بار وضاحت کرتے رہے۔ اس دور میں قائداعظمؒ نے جو تقاریر کیں یا بیانات دیئے ان کا صحیح مفہوم سمجھنے کیلئے ان کا مطالعہ اس مسئلے کے تناظر میں کرنا چاہئے۔

اس ضمن میں قائداعظمؒ کے ذہن اور فکر کو سمجھنے کیلئے ان کی اس پریس کانفرنس کا حوالہ دینا ضروری ہے جو انہوں نے پاکستان کا گورنر جنرل نامزد ہونے کے بعد 14 جولائی 1947ء کو نئی دہلی میں کی۔ اقلیتوں کے ضمن میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا:

''میں اب تک بار بار جو کچھ کہتا رہا ہوں اس پر قائم ہوں' ہر اقلیت کو تحفظ دیا جائے گا۔ ان کی مذہبی رسومات میں دخل نہیں دیا جائے گا اور ان کے مذہب' اعتقاد' جان و مال اور کلچر کی پوری حفاظت کی جائے گی۔ وہ ہر لحاظ سے پاکستان کے برابر کے شہری ہوں گے۔''

ایک سوال کے جواب میں قائداعظم نے کہا کہ

''آپ جب جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ ہم نے جمہوریت تیرہ سو سال قبل سیکھ لی تھی۔''

سوال یہ ہے کہ تیرہ سو برس قبل مسلمانوں نے کون سی جمہوریت سیکھی تھی؟ کیا وہ سیکولر جمہوریت تھی یا اسلامی

جمہوریت؟ان دونوں تصورات میں ایک واضح فرق ہے جسے ذہن میں رکھنا چاہیے وہ یہ کہ مغربی جمہوریت کے مطابق مذہب اور سیاست ایک دوسرے سے بالکل الگ اور لاتعلق ہوتے ہیں، یہ لوگوں کا انفرادی معاملہ سمجھا جاتا ہے جبکہ مسلمانوں کے نزدیک اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اس لیے اس کی سیاست بھی اسلامی اصولوں کے تابع ہے۔

اس بحث کی ایک اہم کڑی قائداعظمؒ کی 11 اگست 1947ء کی تقریر ہے جو انہوں نے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا پہلا صدر منتخب ہونے پر اسمبلی میں کی۔ یہی وہ تقریر ہے جس کی توضیح یا تشریح کر کے کچھ حضرات یہ مفہوم نکالتے ہیں کہ قائداعظمؒ پاکستان کیلئے سیکولر جمہوری نظام چاہتے تھے جبکہ دوسرا مکتبہ فکر اس توضیح سے اس بنیاد پر اختلاف کرتا ہے کہ اول تو قائداعظمؒ کی تقریر سے ہرگز یہ مفہوم نہیں نکلتا اور دوم یہ تاثر غیر منطقی ہے کیونکہ قائداعظمؒ جیسے عظیم لیڈر کی ایک تقریر کو ان کی دوسری لاتعداد تقریروں اور بیانات سے جو انہوں نے اس سے قبل یا بعد ازاں دیئے الگ یا علیحدہ کر کے صحیح نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔

سوال یہ ہے کہ قائداعظمؒ نے گیارہ اگست کی تقریر میں کیا کہا جو اس قدر بحث و نزاع کا سبب بن گیا۔ دراصل انہوں نے اس تقریر میں ان بنیادی مسائل کی نشاندہی کی جو پاکستان کو اس وقت درپیش تھے اور اسکے ساتھ ساتھ بابائے قوم (فادر آف نیشن) ہونے کے ناطے کچھ نصیحتیں بھی کیں۔ اس تقریر کا مکمل ادراک حاصل کرنے کیلئے پوری تقریر کو اسکے سیاق و سباق اور پس منظر میں پڑھنا ضروری ہے۔ قائداعظمؒ نے کہا:

''ہم آپ کی مدد سے اس اسمبلی کو مثالی بنائینگے، اس اسمبلی نے بیک وقت دستور سازی اور قانون سازی کے فرائض سرانجام دینے ہیں جس کے سبب ہم پر نہایت اہم ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ حکومت کا پہلا فرض امن عامہ قائم کرنا ہے تاکہ شہریوں کی جائیداد اور مذہبی اعتقادات کی حفاظت کی جا سکے۔ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ رشوت اور کرپشن ہے۔ اس اسمبلی کو اس زہر کے خاتمے کیلئے موثر اقدامات کرنے ہیں۔ ایک اور لعنت بلیک مارکیٹنگ یعنی چور بازاری ہے جس کا تدارک آپ کو کرنا ہے۔ اسی طرح ہمیں اقربا پروری اور ظلم و زیادتی کو بھی کچلنا ہے۔ مجھے علم ہے کہ کچھ لوگوں نے بنگال اور پنجاب کی تقسیم کو تسلیم نہیں کیا۔ میرے نزدیک اس مسئلے کا اور کوئی حل نہیں تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟ اگر ہم پاکستان کو خوشحال اور عظیم ریاست بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں ہمہ وقت عوام کی خوشحالی اور بہتری پر توجہ دینا ہو گی۔ اگر آپ ماضی کی تلخیوں کو دفن کر کے رنگ و نسل اور عقیدے کے اختلافات کو پس پشت ڈال کر تعاون اور برابری کی فضاء میں کام کرینگے تو آپکی ترقی کی کوئی انتہا نہیں ہو گی۔ اگر ہم اس جذبے کے ساتھ کام کریں تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اکثریت اور اقلیت، مسلمان اور ہندو کے درمیان تضادات ختم ہو جائیں گے کیونکہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان میں بھی پٹھان، پنجابی، شیعہ، سنی وغیرہ ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں میں برہمن، وشنا، ویش، کھتری، شودر، بنگالیا اور مدراسی ہیں۔ یہی تقسیم ہندوستان کی آزادی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ رہی ہے۔ ہمیں اس سے سبق سیکھنا چاہئے۔ آپ آزاد ہیں، مندر میں پوجا کریں یا مسجد میں عبادت کریں۔ آپ کا کسی مذہب، ذات یا عقیدے سے تعلق ہے، اس سے حکومت کا سروکار نہیں۔ کسی زمانے میں انگلستان کے حالات نہایت خراب تھے اور وہاں رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کے درمیان اختلافات ختم ہو چکے ہیں اور وہ اپنے ملک کے یکساں شہری ہیں۔ اگر آپ بھی اپنے سامنے یہی آئیڈیل رکھیں تو وقت گزرنے کے ساتھ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فرق مٹ جائے گا، مذہب کے حوالے سے نہیں کیونکہ ہر شخص کا اپنا مذہب ہوتا ہے بلکہ سیاسی حوالے سے کیونکہ سبھی ایک ریاست کے شہری ہونگے۔''

11 اگست کی تقریر کے حوالے سے یہ جاننا ضروری ہے کہ قائداعظمؒ نے یہ تقریر فی البدیہہ کی تھی۔ نہ ہی اسے ضبط تحریر میں لایا گیا تھا اور نہ ہی اس کے لیے تیاری کی گئی تھی۔ خود قائداعظمؒ نے اپنی تقریر میں کہا:

'' میں فی الحال کوئی سوچا سمجھا بیان نہیں دے سکتا۔ میں چند ایک ایسی باتیں کہوں گا جو میرے ذہن میں آئیں گی۔''

اس سے ظاہر ہے یہ کوئی پالیسی بیان نہیں تھا نہ ہی کوئی غور و خوض کے بعد لکھی ہوئی تقریر تھی۔ اس تقریر کا بنیادی نکتہ

تمام شہریوں کے لیے مساوی حقوق تھے، جس پر اس سے قبل قائداعظمؒ متعدد بار روشنی ڈال چکے تھے۔ وہ وقتاً فوقتاً اقلیتوں کے مساوی حقوق کے ضمن میں میثاق مدینہ کی مثال دیتے رہے تھے اور وہ اس سلسلے میں ہمیشہ میثاق مدینہ سے ہی رہنمائی اور فکری روشنی حاصل کرتے تھے۔ ڈاکٹر حمیداللہ کے بقول اس میثاق میں تمام شہریوں کو ان کے مذہب سے قطع نظر برابر کے حقوق دیئے گئے تھے۔ موجودہ دور میں مذہب سے بالاتر ہو کر سب شہریوں کو برابری کا درجہ دینا ایک سیکولر اصول سمجھا جاتا ہے لیکن آج سے طویل عرصہ قبل حضور نبی کریمﷺ نے اسے میثاقِ مدینہ کا حصہ بنا کر اسلامی اقدار کا جزو بنا دیا تھا۔

قائداعظمؒ نے ہمیشہ تھیوکریسی کی مخالفت کی کیونکہ اسلام میں تھیوکریسی کا تصور موجود نہیں۔ علامہ اقبال تو جمہوریت کو اسلامی اصولوں اور فریم ورک کے قریب پاتے ہیں اور اجتہاد کا اختیار بھی منتخب نمائندوں یعنی پارلیمنٹ کے سپرد کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قائداعظمؒ پاکستان کو ایک ماڈرن اسلامی جمہوری ملک بنانا چاہتے تھے اور ان کے نزدیک اسلامی اور جمہوری اصولوں میں کوئی تضاد نہیں تھا۔ قائداعظمؒ کی تقاریر کا مطالعہ کریں تو یہ راز کھلتا ہے کہ قائداعظم نے اپنی تقریروں میں کبھی بھی لفظ سیکولرازم استعمال نہیں کیا جبکہ اسلام ان کی تقریروں اور تحریروں کا محور نظر آتا ہے۔

اس تقریر کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس کا نفسِ مضمون اور مدعا اقلیتوں کو احساسِ تحفظ اور بحیثیت شہری برابری کا پیغام دینا تھا اور قوم کو اتحاد کی تلقین کرنا تھا جس میں پاکستان کی ترقی کا راز مضمر ہے کیونکہ ہندوستان میں یہ پراپیگنڈہ جاری تھا کہ پاکستان ایک مذہبی ریاست ہوگی جہاں اقلیتوں کو غلام بنا کر رکھا جائے گا۔ اس تقریر میں قائداعظمؒ نے رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کا ذکر کیا جو کہ عیسائیت کے دو فرقے ہیں، وہ اسلام اور ہندومت کی مانند دو مختلف مذاہب نہیں۔ اس تقریر سے قبل اور بعدازاں بھی قائداعظمؒ اقلیتوں کو یقین دہانیاں کراتے رہے اور بار بار یہ کہتے رہے کہ رواداری Tolerance اسلام کا بنیاد اصول ہے۔

چنانچہ قائداعظمؒ نے 14 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی کے افتتاح کے موقع پر ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کا جواب دیتے ہوئے بھی اپنے اسی نقطہ نظر کو دہرایا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اقلیتوں کے حوالے سے مغل بادشاہ اکبر کی فراخدلی کا ذکر کیا تھا جس کے جواب میں قائداعظمؒ نے کہا:

''اکبر بادشاہ نے جس فراخدلی کا مظاہرہ کیا وہ ہمارے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ اس کا آغاز تیرہ سو برس پہلے ہو گیا تھا جب ہمارے نبی کریمﷺ نے فتح کے بعد نہ صرف زبانی بلکہ عملی طور پر یہودیوں اور عیسائیوں سے فراخدلانہ سلوک کیا اور ان کے عقائد کا احترام کیا۔ مسلمانوں کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے''۔

یہاں بھی انہوں نے میثاق مدینہ کا حوالہ دیا اور حضور نبی کریمﷺ کو اپنا رہنما اور رول ماڈل قرار دیا۔

کچھ ہی دنوں بعد قائداعظم نے یہ باتیں اپنے ایک انٹرویو میں دہرائیں جو انہوں نے 25 اکتوبر 1947ء کو ''رائٹر'' کے نمائندے کو دیا۔ اس انٹرویو میں انہوں نے کہا:

''میں دستور ساز اسمبلی کی افتتاحی تقریر (11 اگست) میں یہ واضح کر چکا ہوں کہ اقلیتوں سے پاکستان کے شہریوں جیسا سلوک کیا جائے گا اور ان کو وہی حقوق حاصل ہونگے جو دوسروں کو حاصل ہونگے۔ پاکستان غیر مسلم اقلیتوں میں احساس تحفظ اور اعتماد پیدا کرنے کیلئے سب کچھ کرے گا''۔

مشکل یہ ہے کہ ہمارے دانشور حضرات 11 اگست والی تقریر کی تشریح و توضیح پر تو بہت زور صرف کرتے رہے ہیں لیکن 25 اکتوبر والی تقریر کا ذکر نہیں کرتے جس میں خود قائداعظمؒ نے گیارہ اگست کی تقریر کے حوالے سے اپنے مدعا کی وضاحت کی تھی۔ مختصر یہ کہ ہمارے دانشوروں کا ایک طبقہ قائداعظمؒ کی محض ایک تقریر کے چند فقروں کو اپنے سیاق و سباق سے الگ کر کے اپنا من پسند مفہوم نکال لیتا ہے اور قائداعظمؒ کی اس سے قبل یا بعد میں کی گئی تقریروں کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ یہ بدنیتی نہیں تو اور کیا ہے؟

یوں تو قائداعظمؒ کی تقاریر میں بہت سے حوالے ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ قائداعظمؒ کے خیالات میں ایک تسلسل تھا اور وہ مسلسل پاکستان میں اسلامی جمہوری نظام کا تصور پیش

کرتے رہے بلکہ وعدہ کرتے رہے لیکن اس حوالے سے چند ایک اقتباسات پیش کررہا ہوں جن سے قائداعظمؒ کی سوچ اور ویژن سمجھنے میں مدد ملے گی۔

☆ نومبر 1945ء میں قائداعظمؒ نے پشاور میں کہا:

''آپ نے سپاسنامہ میں مجھ سے پوچھا ہے کہ پاکستان میں کونسا قانون ہوگا۔ مجھے آپ کے سوال پر سخت افسوس ہے۔ مسلمانوں کا ایک خدا، ایک رسولﷺ اور ایک کتاب ہے، یہی مسلمانوں کا قانون اور بس۔۔۔اسلام پاکستان کے قانون کی بنیاد ہوگا اور پاکستان میں کوئی قانون اسلام کیخلاف نہیں ہوگا''۔

☆ 14 فروری 1947ء کو شاہی دربار سبی، بلوچستان میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوہ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلامﷺ نے دیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیاد صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں''۔

☆ 30 اکتوبر 1947ء کو لاہور میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''اگر ہم قرآن حکیم سے رہنمائی حاصل کریں تو بالآخر فتح ہماری ہوگی .... میرا آپ تمام لوگوں سے یہی مطالبہ ہے کہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے کیلئے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کریں''۔

☆ 25 جنوری 1948ء کو عید میلاد النبیﷺ کے موقع پر کراچی بار ایسوسی ایشن کے استقبالیہ میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے وکلاء کے سامنے ان حضرات کو بے نقاب کیا جو ان کے حوالے سے غلط فہمیاں پھیلا رہے تھے۔ اس وقت قائداعظمؒ پاکستان کے گورنر جنرل بھی تھے ،اسلئے ان کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ ''پالیسی بیان'' کی حیثیت رکھتا تھا۔ قائداعظمؒ کے ان الفاظ پر غور کیجئے اور ان الفاظ کے آئینے میں ان چہروں کو تلاش کیجئے جنہیں قائداعظمؒ نے شرارتی اور منافق کہا۔ قائداعظمؒ نے کہا:

''میں ان لوگوں کے عزائم نہیں سمجھ سکا جو جان بوجھ کر شرارت کر رہے ہیں اور یہ پراپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ پاکستان کے آئین کی بنیاد شریعت پر نہیں ہوگی۔ ہماری زندگی پر آج بھی اسلامی اصولوں کا اسی طرح اطلاق ہوتا ہے جس طرح تیرہ سو سال پہلے ہوتا تھا۔ اسلام نے ہمیں جمہوریت سکھائی ہے اور مساوات اور انصاف کا سبق دیا ہے اسلئے کسی کو بھی خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں''۔

☆ فروری 1948ء میں قائداعظمؒ نے امریکی عوام کے نام ایک ریڈیو پیغام میں یہ واضح الفاظ کہہ کر نہ صرف ہر قسم کے شکوک وشبہات کی دھند صاف کر دی بلکہ اس بحث کو بھی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے سمیٹ دیا۔ قائداعظمؒ نے فرمایا:

''پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے ابھی دستور بنانا ہے۔ مجھے علم نہیں کہ اس سکی حتمی شکل وصورت کیا ہوگی؟ لیکن مجھے یقین ہے کہ پاکستان کا آئین جمہوری قسم کا ہوگا، جسے اسلام کے بنیادی اصولوں کے مطابق تشکیل دیا جائے گا۔ اسلام کے اصول آج بھی عملی زندگی پر اسی طرح لاگو ہوتے ہیں جس طرح تیرہ سو برس قبل ہوتے تھے۔ اسلام نے ہمیں جمہوریت سکھائی ہے اور مساوات اور انصاف کا سبق دیا ہے۔ ہم ان شاندار روایات کے امین اور وارث ہیں اور دستور سازی میں انہی سے رہنمائی حاصل کی جائیگی۔ بہرحال پاکستان ایک تھیوکریٹ (مذہبی) ریاست نہیں ہوگی''۔

قائداعظم مسلسل یہ کہتے رہے کہ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے۔ سیرت النبیﷺ ہمارے لئے اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ جمہوریت، مساوات اور انصاف ہم نے اسلام سے سیکھا ہے اور اسلام نے جمہوریت کی بنیاد 1300 برس قبل رکھ دی تھی، اسلئے ہمارے لئے یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ پاکستان میں اقلیتوں کو برابر کے حقوق حاصل ہونگے اور یہ کہ ہمارے نبیﷺ نے یہودیوں، عیسائیوں سے جس فراخدلی کا مظاہرہ کیا تھا ہم اس پر عمل کرینگے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کے آئین کی بنیاد شریعت پر نہیں رکھی جائے گی وہ سازشی اور منافق ہیں اور آخر میں یہ کہہ کر تمام شکوک وشبہات کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی کہ پاکستان کا آئین جمہوری ہوگا اور اس کی بنیاد اسلامی اصولوں پر رکھی جائے گی۔ قائداعظمؒ نے اپنی تقاریر میں سماجی انصاف اور مساوات پر بہت زور دیا جو ان کے تصور پاکستان کا ناگزیر حصہ ہے۔

❁❁❁❁❁

# قلم اور علم کا غلط استعمال کرنے والے فسادی اور قابلِ گرفت ہیں

## سوشل میڈیا ایکٹیوسٹ امن اور محبت کیلئے اپنے قلم کا استعمال کریں

فرخ شہزاد (سوشل میڈیا ورکنگ کونسل ہیڈ ایم کیو آئی)

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی قسم کھائی ان میں سے ایک قلم بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے سورۃ القلم میں فرمایا:

''قلم کی قسم اور اس (مضمون) کی قسم جو فرشتے لکھتے ہیں''۔

یعنی قلم کی بھی قسم کھائی اور کاتبین کے لکھے کی بھی کہ فرشتے جو لکھتے ہیں وہ حق ہوتا ہے، اس میں زیر، زبر کا بھی فرق نہیں ہوتا، جسے عرف عام میں نامہ اعمال سے تشبیہ دی جاتی ہے، اسی نامہ اعمال کی بنیاد پر جنت و دوزخ کے فیصلے اور نیک و بد کا تعین ہوگا۔ قرآن مجید کا اسلوب تمثیلی بھی ہے اور دو ٹوک بھی، قلم کی قسم سے مراد علم کی حرمت اور اظہار و بیان کی پاکیزگی ہے کہ جب بھی قلم کا استعمال کیا جائے تو سچ لکھا جائے، قلم کے استعمال سے محبت، امن، آشتی اور شائستگی فروغ پائے، نہ کہ شر اور فساد جنم لے۔

دین اسلام کرہ ارض کا وہ واحد جامع دین اور ضابطہ حیات ہے جو انسان کو اٹھنے، بیٹھنے، بولنے، چلنے، غم اور خوشی کے اظہار اور ردعمل دینے کے طور طریقے سکھاتا اور آدابِ زندگی فراہم کرتا ہے، اسلام انسان میں انسانیت اور کردار سازی پر زور دیتا ہے، انسان اپنے کردار، حسنِ عمل اور علم کی وجہ سے تمام مخلوقات سے افضل ہے، تخلیقِ آدم کے مرحلہ پر ابلیس سے مکالمہ کے موقع پر علم کی وجہ سے آدم کی عظمت کا تعین ہوا۔ اللہ رب العزت نے فرشتوں کو فرمایا کہ آدم پر فساد فی الارض کے حوالے سے استفاشہ پیش کرنے والو! ان اشیاء کے نام بتاؤ جو آدم کو ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے سکھائے۔ فرشتوں کی طرف سے جواب نفی میں تھا۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوا:

''اور اللہ نے آدم کو تمام (اشیاء) کے نام سکھا دیئے''۔

قلم کی نسبت کا پاس نہ رکھنے والے سورۃ البقرہ کا ٹھنڈے دل و دماغ سے مطالعہ کریں اور مذکورہ آیات پر غور وفکر اور تدبر کریں اور پھر اس بات کا احاطہ کریں کہ آیا وہ قلم اور اللہ کے عطا کردہ اس علم کے استعمال کا حق ادا کررہے ہیں جس کا تقاضا ان سے قرآن مجید کررہا ہے؟ قصہ آدم و ابلیس اس بات کو عیاں کرتا ہے کہ بلاتصدیق الزام تراشی نہ کی جائے اور حسنِ ظن سے کام لیا جائے۔ تحقیق کیے بغیر الزام تراشی اور پھر اپنی ناقص بات پر ڈٹ جانا شیطانی عمل ہے۔

اللہ کا اہلِ علم و قلم سے ایک تقاضا اور مطالبہ ہے کہ علم میں پختگی اور رسوخ حاصل کریں، کچی و ادھوری بات نہ کریں اور آپ کا قول پختہ ہو۔ پختگی وسعتِ مطالعہ اور فکر و تدبر سے حاصل ہوتی ہے، کوالیفائیڈ کو ڈاکٹر اور نامکمل و ادھورے علم والے کو عطائی کہتے ہیں جو خطرہ جان ہوتا ہے۔ کوئی ریاست نیم حکیم کو علاج کرنے کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ جب نیم حکیم بیمار کا علاج کرتا ہے تو پھر قبرستان آباد ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب کوئی نیم خواندہ دانشور استاد، شاعر، سوشل میڈیا ایکٹیوسٹ، وکیل، اینکر، کالم نویس فکری آبیاری کا بیڑہ اٹھاتا ہے تو پھر شر اور فساد جنم لیتا ہے۔ یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ کوئی عطائی ڈاکٹر بن کر قانونی اعتبار سے علاج نہیں کرسکتا مگر فکری بیماریوں کا علاج کرنے والے عطائیوں سے یہ ملک بھرا پڑا ہے اور کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ آج اگر ہماری

سوسائٹی میں امن، برداشت، اعتدال، رواداری، صبر، شائستگی اور محبت ہے تو پھر اس کا مطلب ہے ہمارے دانشور، استاد، علماء، سوشل میڈیا ایکٹیوسٹ، وکیل، اینکر، کالم نویس، ڈرامہ نویس، ہدایتکار اپنا کام ٹھیک طریقے سے کررہے ہیں اور اگر سوسائٹی میں نتائج وثمرات اس کے الٹ ہیں تو پھر اس کا مطلب ہے قوم عطائیوں کے ہتھے چڑھی ہوئی ہے۔

اظہار کا سلیقہ، فہم کی پختگی اور اعتماد مثبت سوچ اور وسیع مطالعہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ قرآن پاک فکری گتھی کو سلجھاتے ہوئے کہتا ہے کہ

اس میں واضح اور صاف معنی رکھنے والی آیات بھی ہیں اور اشتباہ رکھنے والی آیات بھی ہیں، بہترین اور مکمل علم رکھنے والی ذات صرف خدا کی ہے اور جن کے دلوں میں کجی ہے وہ صرف متشابہات کی پیروی کو ترجیح دیں گے، جو یہ سمجھیں گے کہ اللہ کی کتاب مکمل اور کافی ہے اور ہر نصیحت رب کی طرف سے ہے تو وہ فلاح پائیں گے، وہی اہل دانش اور خوش نصیب ہیں۔

قرآن نے یہ گتھی اس طرح سلجھائی کہ کوئی انسان جس سوچ اور جذبے کے ساتھ کسی فکر کا مطالعہ کرے گا تو اسی طرح کا رنگ اس کے دل، دماغ اور قلم پر غالب آئے گا۔ اگر وہ مثبت سوچ کے ساتھ کوئی بات کرے گا تو اس کے اثرات بھی مثبت ہوں گے اور اگر وہ منفی سوچ کے ساتھ کوئی کام کرے گا تو اس کے اثرات بھی منفی ہی ہوں گے۔

مذکورہ بالا تمہید کا مقصد، قلم، علم، بیان و اظہار کی حرمت اور مقصدیت بیان کرنا تھا۔ کوئی یہ مت بھولے کہ اس کے بولے اور لکھے ہوئے الفاظ کا اثر اور کوئی نتیجہ نہیں ہوتا۔ ہر لکھنے اور بولنے والے کا ایک حلقہ ہوتا ہے جو اس کی تحریروں کا اثر لیتا ہے پھر آگے ان کا حلقہ ہوتا ہے، اسی طرح ایک بات ری ٹویٹ ہوتی اور پھیلتی رہتی ہے۔ مثال کے طور پر کسی دور دراز پسماندہ گاؤں کی مسجد کے امام کا سپیکر میں کیا ہوا کوئی اعلان بعض اوقات پورے ملک کو آگ اور خون کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ توہینِ قرآن اور توہینِ رسالت کے الزامات اور پھر اس کے ردِعمل کو ہم متعدد بار بھگت چکے ہیں۔

یہ صدی سوشل میڈیا کے انقلاب کی ہے، بعض اوقات وہ بڑا کام گھنٹوں کا وعظ اور سینکڑوں صفحات پر مشتمل کتاب نہیں کر پاتی جو کام ایک ٹویٹ کر دیتا ہے۔ اس کی تازہ ترین مثال جسٹس فار زینب کا ہیگ ٹیگ ہے جو منہاج القرآن سوشل میڈیا ایکٹیویسٹ نے لانچ کیا۔ جسٹس فار زینب کا ہیش ٹیگ لانچ ہونے کے بعد یہ زینب کے انصاف کی آواز بن گیا۔ سوشل میڈیا کا یہ انتہائی مثبت اور موثر استعمال ہے مگر دوسری طرف اسی سوشل میڈیا کو بعض نام نہاد دانشور ''پیڈ دیہاڑیے'' مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں، عزت دار لوگوں کی پگڑیاں اچھالتے ہیں، الزام تراشی کرتے اور سوسائٹی میں نفرت اور نفاق پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ ایسے تمام احباب یہ بات پیش نظر رکھیں کہ علم اور قلم کو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کرنے کا حکم ہے نہ کہ انسانیت کے خلاف استعمال کرنے کے لیے۔ شیطان نے محض وسوسہ کی بنیاد پر خود کو عالم اور انسان کو فسادی قرار دیا اور اپنی اس بات کو آگے بڑھانے کے لیے غلط استدلال سے کام لیا، اور نتیجتاً راندہ درگاہ ٹھہرا۔

آج بھی سوشل میڈیا ایکٹیویسٹ، کالم نویس، دانشور، شاعر اور ادیب حضرات میں سے جو لوگ محض وسوسہ کی بنیاد پر الزام تراشی کرتے اور نقصِ امن کا سبب بنتے ہیں وہ سوسائٹی کا بوجھ اور ناسور ہیں اور اللہ نے فساد فی الارض کرنے والوں کو ظالم قرار دیا اور ان کے خلاف آہنی ہاتھوں سے پیش آنے کا حکم دیا۔

الحمدللہ تعالیٰ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے تربیت یافتہ کارکنان بالخصوص منہاج سائبر ایکٹیوسٹ کے جملہ ممبران و عہدیداران اول دن سے ہی علم اور قلم کی حرمت کے نہ صرف پاسبان ہیں بلکہ اس پیغام کو فروغ دینے میں بھی سب سے آگے دکھائی دیتے ہیں۔ آج ہم ایک مرتبہ پھر اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ ہم اپنی صفوں میں اتحاد قائم رکھیں گے، باوقار انداز میں اپنی آواز عامۃ الناس تک پہنچائیں گے، الفاظ کے چناؤ میں شائستہ رہتے ہوئے، جدید ٹیکنالوجی سے وابستہ رہیں گے اور اللہ کے عطا کردہ اس علم اور توفیق کا انتہائی مثبت استعمال کریں گے اور حقیقی معنوں میں اسلام اور پاکستان کے ترجمان بنیں گے۔

❁❁❁❁❁

# تحریکوں کی کامیابی میں کارکنوں کی تربیت کی اہمیت

## اخلاقی وروحانی، تعلیمی وتدریسی، فکری ونظریاتی اور تنظیمی وانتظامی تربیت کیلئے نظامتِ تربیت اپنا شاندار کردار ادا کررہی ہے

غلام مرتضیٰ علوی (مرکزی ناظم تربیت)

کسی بھی تحریک کی کامیابی میں اس کے کارکنان کی تربیت غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ نظامت تربیت تحریک منہاج القرآن کا وہ شعبہ ہے جو ملک بھر میں کارکنان کی ہر سطح پر تربیت کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔نظامت تربیت نے سال 2018ء میں مرکز اور ملک بھر میں تربیت کے حسبِ ذیل پہلوں میں اپنا کردار ادا کیا ہے:

1۔اخلاقی و روحانی تربیت 2۔تعلیمی و تدریسی تربیت
3۔فکری ونظریاتی تربیت 4۔تنظیمی و انتظامی تربیت
5۔مرکز پر اہم ذمہ داریاں

### 1۔اخلاقی و روحانی تربیت کے حوالہ سے خدمات

نظامت تربیت نے گزشتہ سال کارکنان کی اخلاقی و روحانی تربیت کے لئے مرکز پر ماہانہ **مجلس ختم الصلوٰۃ علی النبی ﷺ** کے پروگرامز کے انعقاد میں اہم کردار ادا کیا۔ سال بھر ماہانہ مجلس ختم الصلوٰۃ کے اجلاسز میں شرکت، ہر ماہ شیڈول کی تیاری، نعت خوانان سے رابطہ، پروگرام کی کنڈکٹنگ شیخ الاسلام اور صاحبزادگان کے خطابات نہ ہونے کی صورت میں ویڈیو خطاب کی سلیکشن اور ایڈیٹنگ وغیرہ کے فرائض سرانجام دیے۔

### سالانہ مسنون اعتکاف 2018 میں خدمات

گزشتہ سال اعتکاف میں نظامت تربیت نے حسب معمول اعتکاف کے شیڈول کی تیاری، حلقہ جات کے سلیبس کی تیاری، پرنٹنگ، معتکفین کے حلقہ جات کے لئے معلمین کی فراہمی، ان کی ٹریننگ، تقسیم کار اور 10 دن نگرانی کا فریضہ سرانجام دیا۔ علاوہ ازیں محافل نعت اور طاق راتوں کی محافل کے شیڈول کی تیاری کنڈکٹنگ اور نگرانی بھی بخوبی سرانجام دی۔

### گوشہ درود میں گوشہ نشینان کے لئے تربیتی لیکچرز

گوشہ درود میں تشریف لانے والے گوشہ نشینان کیلئے ہرروز نماز عصر کے بعد تعلیمی وتحریکی لیکچرز ہوتے ہیں۔ نظامت تربیت کے سکالرز ہر عشرہ میں 3 لیکچرز دیتے ہیں۔ یوں گزشتہ سال نظامتِ تربیت کے سکالرز نے تقریباً 100 سے زائد لیکچرز گوشہ درود میں دیئے۔ اس کے علاوہ گوشہ درود کے انتظامی اجلاسز اور بعض تقاریب تقسیم اسناد میں بھی شرکت کی۔

### منہاج العمل کا احیاء

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے کارکنان کو انفرادی سطح پر اخلاقی و روحانی تربیت کے لئے لائحہ عمل "منہاج العمل" عطا کیا ہے۔ نظامت تربیت نے سال بھر کیمپوں اور پروگراموں میں کارکنان کو منہاج العمل پر عمل کی ترغیب دی ہے۔ نظامت تربیت منہاج العمل کو ملک بھر کے کارکنان تک پہنچانے کے لئے ایک APP تیار کر رہی ہے جو کہ تیاری کے آخری مرحلے میں ہے۔ اسی طرح کارکنان کو منہاج العمل کی اہمیت سمجھانے کے لئے ایک کتاب تیاری کے مراحل میں ہے جو اشاعت کے بعد ان شاء اللہ کارکنان کی رہنمائی کا باعث ہوگی۔

## ماہانہ شب بیداری کے احیاء کی کوشش

شیخ الاسلام نے تحریک منہاج القرآن کی ابتداء میں کارکنان کی تربیت کے لئے ملک بھر میں ماہانہ شب بیداری کو فروغ دیا۔ ایک طویل عرصہ یہ کارکنان کی تربیت کا مؤثر ذریعہ رہا۔ نظامت تربیت نے اس کے احیاء کے لئے ماہانہ شب بیداریوں کو کو وژن 2025ء کا حصہ بنا کر منظوری لے لی ہے۔ماہانہ شب بیداری کا مکمل لائحہ عمل تیار کیا گیا ہے، اب الحمد للہ مارچ 2019ء سے ملک بھر میں اس کا اجراء ہو رہا ہے۔

## 2۔ تعلیمی و تدریسی تربیت

نظامت تربیت ملک بھر میں کارکنان اور عوام الناس کی بنیادی دینی تعلیم و تربیت میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔اس سلسلہ میں نظامت تربیت نے سال 2018ء میں مرکز اور فیلڈ میں قرآن سکالرز کیمپ اور کورسز کی 80 سے زائد کلاسز کا انعقاد کیا گیا۔جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

## مرکز پر قرآن سکالرز ٹریننگ کیمپ

نظامت تربیت نے مرکز پر منہاج القرآن ویمن لیگ کے تحت تربیتی کیمپ برائے الھدایہ سکالرز (گرلز کالج)، دس روزہ قرآن سکالر ٹریننگ کیمپ (منہاج ٹریننگ اکیڈمی) اور تین روزہ عرفان الھدایہ کیمپ میں مکمل انتظامات اور تدریس کے فرائض سر انجام دئے۔ اسی طرح کالج آف شریعہ کے ای لرننگ سٹاف اور طلباء کے لئے کیمپ کا انعقاد کیا۔ اس میں 344 سے زائد خواتین اور طلباء نے شرکت کی۔ ان کیمپوں کے علاوہ نظامت تربیت نے مرکزی منہاج ٹریننگ اکیڈمی آغوش کمپلیکس میں فن خطابت، Winter Study Camp MSM، عرفان العقائد اور فہم القرآن کورسز کی 8 کلاسز کا انعقاد کیا۔ ان کلاسز میں 300 سے زائد شرکاء نے شرکت کی اور کثیر تعداد نے رفاقت بھی حاصل کی۔

## فیلڈ میں قرآن سکالرز کیمپ اور کورسز کا انعقاد

نظامتِ تربیت نے مرکز کی طرح فیلڈ میں بھی کورسز اور کلاسز کا انعقاد کیا۔ کورسز کے انعقاد کے لئے 15 سے زائد شہروں میں بریفنگز دی گئیں جن میں لاہور، سیالکوٹ، بھکر، اسلام آباد، کراچی، فیصل آباد، پشاور، اٹک، لودھراں، کراچی، جھنگ، ملتان، جہلم، وہاڑی، خانیوال اور راجن پور میں کیمپوں کے انعقاد سے قبل 70 سے زائد اجتماعات اور اجلاسز میں بریفنگز دی گئیں۔ ان بریفنگز کے نتیجے میں کراچی، جہلم اور راجن پور 3 شہروں میں 10 روزہ قرآن سکالرز کیمپ منعقد ہوئے، ان کیمپوں میں 329 تعلیم یافتہ (گریجویٹ) افراد نے شرکت کی۔کثیر افراد نے رفاقت حاصل کی اور ان قرآن سکالرز کے ذریعے کراچی، جہلم اور لاہور میں 70 سے زائد عرفان القرآن اکیڈمیز کا قیام عمل میں آیا۔ کراچی، لاہور، فیصل آباد، پشاور، اٹک، لیہ چوک اعظم، کراچی، جہلم، شیخوپورہ، گوجرانوالہ اور راجن پور میں 57 سے زائد عرفان القرآن کورس کی کلاسز کا انعقاد ہوا جن میں 2500 سے زائد شرکاء نے شرکت کی اور 42 سے زائد رفقاء بنے۔ ان تمام کیمپوں، کورسز اور کلاسز کے نتیجے میں الحمد للہ 650 سے زائد رفقاء بنے، 100 سے زائد حلقات درود بنے اور 13 سے زائد صوبائی حلقہ جات میں تحریک اور منہاج القرآن ویمن لیگ کی تنظیمات قائم ہوئیں۔خصوصاً ضلع راجن پور میں تحریک اور ویمن لیگ کو ایک نئی زندگی میسر آئی۔ دورانِ کیمپ تحریک کے تمام فورمز اور کارکنان متحرک ہو جاتے ہیں اور ان کے درمیان ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ راجن پور، کراچی اور جہلم ہر تحصیل کو 100 سے زائد تعلیم یافتہ کارکنان اور عہدیداران میسر آئے۔

## 3۔فکری و نظریاتی تربیت

کارکنان کی فکری و نظریاتی تربیت بھی نظامت تربیت کی بنیادی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ اس سلسلہ میں گزشتہ سال نظامتِ تربیت نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی خدمات کو معاشرے تک پہنچانے کے لئے 3 اہم کتب کی اشاعت کی جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ محافظ اسلام اور انسانیت

۲۔ تلاش خضر ۳۔ نصاب زندگی

ملک بھر میں 70 سے زائد کیمپوں میں فکری و نظریاتی موضوعات پر لیکچرز اور شیخ الاسلام کے خطابات پر مشتمل ویڈیو کلپ دکھائے۔تمام کیمپوں میں سوال و جواب کی نشستوں میں کارکنان کو فکری واضحیت دی گئی۔ MES کے اشتراک سے 6 سے زائد فکری و تحریکی تربیتی کیمپ منعقد ہوئے جن میں 20 سے زائد سکولوں کے سٹاف نے شرکت کی۔ وژن 2025ء کی تیاری نظامتِ تربیت کے لئے محترم پروفیسر محمد سلیم احمد چوہدری (نائب ناظم اعلیٰ تربیت) کی سربراہی میں کمیٹی قائم کی گئی جس نے وژن 2025 تیار کیا۔

## 4۔ تنظیمی و انتظامی تربیت

نظامتِ تربیت کے فرائض میں سے سب سے اہم فریضہ کارکنان کی تنظیمی تربیت ہے۔ اس سلسلہ میں نظامت تربیت نے وژن 2025ء اور نظام العمل کے مطابق عہدیداران کی ذمہ داریوں کیلئے لٹریچر تیار کیا اور ملک بھر کے عہدیداران کی تربیت کے لئے پہلے مرکز پر ٹریننگ آف ٹرینرز (TOT) کا انعقاد کیا گیا، جس میں شمالی اور سینٹرل پنجاب کے 20 سے زائد اضلاع کے 120 سے زائد قائدین نے شرکت کی اس ماڈل کیمپ کے ذریعے ان قائدین کو اپنے اپنے اضلاع میں ٹریننگ دینے کی تربیت کی گئی۔ ان ٹرینرز کے ذریعے پنجاب بھر میں 76 سے زائد تحصیلات میں ٹریننگ کیمپوں کا انعقاد ہوا۔ ان ماسٹرٹرینرز کے منعقدہ کیمپوں کے علاوہ مرکزی ٹیم نے ملک بھر میں اٹک، میر پور،کوٹلی، ہجیرہ ،مظفرآباد، وہاڑی، لودھراں ، راجن پور ، ڈیرہ غازی خان،مظفرگڑھ ، لیہ، سلانوالی اور دیگر شہروں میں کیمپوں کا انعقاد کیا، جن میں 800 سے زائد عہدیداران نے شرکت کی۔

## 5۔مرکز پر اہم ذمہ داریاں

### سکالرز سلیکشن بورڈ میں خدمات

دنیا بھر میں دعوت و تبلیغ کے لئے تحریک منہاج القرآن نے اسلامک سینٹرز قائم کیے ہیں۔ ان سینٹرز کے ساتھ ساتھ اب کالجز اور یونیورسٹیز کے قیام کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ ان اداروں میں خدمات کے لئے منہاجینز کو بھجوایا جاتا ہے۔ سکالرز کے ٹیسٹ انٹرویو اور سلیکشن کے لئے مرکز پر سکالرز سلیکشن بورڈ قائم ہے۔ نظامتِ تربیت ان سکالرز کے ٹیسٹ انٹرویو کا اہتمام کرتی ہے۔

### کالج آف شریعہ اور منہاج کالج فار ویمن میں خدمات

دونوں تعلیمی اداروں میں طلبہ و طالبات کی فکری تربیت کے لئے کلاسز میں لیکچرز اور تربیتی کیمپوں کا انعقاد نظامت تربیت کرتی ہے۔ سال 2018ء میں نظامت تربیت نے دونوں کالجز (تینوں کیمپسز میں) میں 400 سے زائد لیکچرز اور 20 سے زائد کیمپوں کا انعقاد کیا۔

## 6۔خواتین کی دینی تعلیم کے لئے Academy of Islamic Sciences کا قیام

نظامتِ تربیت کا مرکز پر خواتین کی دینی تعلیم و تربیت کے مستقل انتظام و انصرام کے لیے منہاج کالج فار ویمن کے اشتراک سے ایوننگ اکیڈمی کا کامیاب آغاز کیا گیا۔ اکیڈمی میں سہ ماہی بنیادوں پر فہم دین کے نام سے کورس کا آغاز کیا گیا۔جس کے تحت ماہ جنوری میں عرفان القرآن ،فن خطابت، اور عرفان العقائد کورس آفر کئے گئے۔ ماہ جنوری میں 100 طالبات نے ان کورسز میں رجسٹریشن کروائی۔

❁❁❁❁❁

### اطلاع برائے تنظیمات

بذریعہ نوٹس ہذا تمام تنظیمات اور فورمز کو مطلع کیا جاتا ہے کہ محترم علامہ غضنفر حسنین مرکز پر کسی قسم کی کوئی خدمات سرانجام نہیں دے رہے۔

آئندہ وہ اپنے قول و فعل کے خود ذمہ دار ہوں گے۔

تنظیمات کو ہدایات کی جاتی ہیں کہ دروس قرآن اور حلقات درود وسلام کے لیے مرکزی نظامت دعوت سے رابطہ کریں۔شکریہ

**شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری** کا اسلام کے علمی و عملی، اخلاقی، روحانی، تعلیمی، معاشی، اقتصادی، سائنسی، فقہی، قانونی، انقلابی، فکری اور عصری موضوعات پر مشتمل ایسا انسائیکلو پیڈیا جو دلوں کی ویران بستیاں آباد کرنے کے ساتھ ساتھ ذہنِ جدید میں پیدا ہونے والے اِشکالات کے مدلل جواب دیتا ہے اور اصلاحِ اَحوال و اِحیائے اُمت کی ضمانت فراہم کرتا ہے

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN
MAR-2019
LAHORE
Regd CPL No.41

# شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

کی اسلام کے علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی
فقہی و قانونی، انقلابی و فکری اور عصری
موضوعات پر **550**
سے زائد کتب